مولانا ارشد جمال اشرفی

اسلام

کیسے پھیلا؟

مولانا ارشد جمال اشرفی
اسلام
کیسے پھیلا؟
الاسلام مشن بنارس

انتساب

مجدّدِ عصر، قدوۃ الکبرا حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

جنھوں نے سرزمین بنارس کو اپنے مبارک قدموں سے زینت بخشی اور

بشیشر پور (رام نگر) میں ایک عرصے تک قیام فرمایا۔

یہیں ایک مناظرے کے دوران پتھر کی بے جان مورت سے کلمہ پڑھوا کر،

پجاری اور اُس کے ہزار چیلوں کو مسلمان بنایا۔

وقت کے نامور عالم و فاضل شیخ عبداللہ صدیقی بنارسی علیہ الرحمہ

آپ کے ممتاز مرید و خلیفہ ہوئے۔

اور

اپنے جدّ اعلیٰ جناب غلام محمد مرحوم (آٹھویں پشت)

کے نام

جو کہیں باہر سے بنارس کے دِین دَیال پور علاقے میں

عیدگاہ جتّاتی مسجد کے قریب وارد ہوئے تھے۔

پھر وہاں سے ''مدنپورہ'' آکر بس گئے۔

اِس کتاب میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''اسلام زور زبردستی کا مذہب ہے اور یہ تلوار کے بل پر پھیلا ہے''۔

یہ ایک ایسا الزام ہے جو ہر صدی میں پوری شدّت کے ساتھ دُہرایا گیا ہے۔

بیسویں صدی میں اِس الزام نے ایک منصوبہ بند تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ اسلام سے نفرت کرنے والی وہ کوئی ذہنیت ہو یا تحریک اور تنظیم سب بڑے پیمانے پر اِس افواہ کو پھیلانے میں لگے ہیں۔ بہت سی حکومتیں بھی اِس پروپیگنڈے کی سرپرستی کر رہی ہیں۔ جس کے پیچھے بس یہی ایک مقصد کام کر رہا ہے کہ اسلام سے لوگ بیزار ہو جائیں اور دنیا بھر میں مسلمان ذلیل و خوار رہیں۔ اُنھیں وحشی، دہشت گرد اور خونخوار قوم قرار دے کر مہذب دنیا سے الگ رکھا جائے تا کہ ہماری چودھراہٹ کو کبھی کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔

یہاں صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا، بلکہ یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی تحریک کس ماحول میں شروع کی اور پھر اُس کا ردّ عمل کیا ہوا؟

تاریخ گواہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پورے معاشرے میں ایک سنجیدہ انسان سمجھے جاتے تھے۔ آپ کو لوگوں کا زبردست اعتماد حاصل تھا۔ آپ کے اخلاق کی عظمت اور کردار کی پاکیزگی کا عالم یہ تھا کہ قریش آپ کو ''صادق'' اور ''امین'' جیسے نام سے پکارتے تھے۔

اسلامی تحریک شروع کرنے سے پہلے آپ جس دل، دماغ کے آدمی تھے؛ ٹھیک اُسی انداز پر اسلامی تحریک کے بعد بھی رہے۔ سنجیدگی، سچائی، امانت داری، عمدہ اخلاق اور پاکیزہ کردار پر کہیں سے کوئی حرف نہ آیا۔ یہ وہ جادو تھا جو دشمنوں کے سر چڑھ کر بول رہا تھا۔

آپ نے یہ تحریک چھپ چھپ کر اور کافروں سے بچتے بچاتے شروع کی۔ تیر اور تلوار تو دور کی چیز ہے آپ کا کسی سے کوئی معمولی جھگڑا بھی نہ ہوا۔ نہ الجھاؤ تھا نہ ٹکراؤ۔ بس

خاموشی سے یہ تحریک آگے بڑھ رہی تھی۔

تحریک کے دوسرے دور میں یہ خاموشی ٹوٹ گئی اور آپ کھل کر میدان میں آ گئے۔ اب اسلام کی کھلم کھلا تبلیغ ہونے لگی۔ اُس وقت بھی آپ کے ہاتھ میں نہ تلوار تھی اور نہ آپ کسی طاقت کا استعمال کر رہے تھے، بلکہ کھل کر میدان میں آنے کی وجہ سے قریش کے کافر آپ کے جانی دشمن ہو گئے۔ آپ کو اِس قدر ستایا اور پریشان کیا کہ تنگ آ کر مکہ چھوڑنا پڑا۔

کیا جس شخص کے ہاتھ میں تلوار ہوگی یا کچھ بھی زور زبردستی رکھتا ہوگا؛ وہ اِس طرح چھپ چھپ کر تبلیغ کرے گا؟

یا جس شخص کے ساتھ لڑنے بھڑنے والی جماعتیں ہوں اور وہ خود بھی مار کاٹ کرنے والی تلوار رکھتا ہو تو وہ اِس طرح تنگ آ کر اپنا شہر چھوڑ دے گا؟

اگر انصاف کرنے والا ذہن اور ٹھیک سمت پر چلنے والی فکر ہوگی تو وہ ضرور تسلیم کرے گی کہ اسلام زور زبردستی نہیں، بلکہ بہت اذیت و مصیبت جھیل کر اور بڑے صبر آزما مرحلوں سے گذر کر آگے بڑھا ہے۔

مدینے میں پہنچ کر تلوار اُس وقت اُٹھتی ہے جبکہ کافروں نے باقاعدہ مسلمانوں سے جنگ کا آغاز کر دیا تھا اور اسلامی تحریک کو بند کرانے پر کمر کس لی تھی۔

اپنی جان بچانے اور اسلامی تحریک کی راہ سے روڑے دور کرنے کے لئے تلوار اُٹھتی ہے۔ کسی کو زور زبردستی مسلمان بنانے کے لئے نہیں۔

اِس بحث کا دوسرا رُخ اِس سے بھی زیادہ دلچسپ اور صاف ستھرا ہے کہ اسلام قبول کرنے والے سب گھر کے لوگ یا دوست احباب نہیں تھے، بلکہ اکثریت آپ کے خلاف پروپیگنڈوں میں حصہ لینے والی تھی اور کچھ ایسے بھی تھے جو آپ کی جان ہی کے دشمن تھے۔

آخر اِن سب لوگوں کو کیا ہو گیا تھا کہ جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنا پیشوا ماننے لگ گئے اور مسلمان بن گئے؟

آخر اسلام میں کیا خوبی تھی جو دشمنوں کو بھی بھا گئی؟

محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات میں اُنھیں ایسا کیا نظر آ گیا کہ اُنھوں نے اپنے ایک یتیم شہری کو اللہ کا پیغمبر تسلیم کر لیا؟

زیرِ نظر کتاب اِنہی چبھتے ہوئے، دلچسپ سوالوں کا جواب ہے جس میں ۳۵ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اسلام لانے کا واقعہ مستند حوالوں سے پیش کیا گیا ہے جو اِس بات سے پردہ اٹھاتا ہے کہ اُن لوگوں کے مسلمان ہونے کی وجہ طاقت یا تلوار نہیں، بلکہ کچھ اور ہے۔ وہ لوگ زور زبردستی، اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، بلکہ ہنسی خوشی، اپنی مرضی سے اور پورے ہوش وحواس کے ساتھ مسلمان بنے تھے۔

ارشد جمال اشرفی

جب وحی اُتری

اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر جب بالکل اچانک سب سے پہلی مرتبہ غارِ حرا میں ''سورۂ اِقرأ'' کی ابتدائی چند آیتیں نازل ہوئیں اور آپ وہاں سے پلٹے تو آپ کا دل گھبرا رہا تھا۔ گھر پہنچتے ہی اپنی اہلیہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ مجھے کمبل اوڑھاؤ، کمبل! جب اُنھوں نے کمبل اوڑھایا تو آپ کی گھبراہٹ جاتی رہی۔ پھر آپ نے حضرت خدیجہ سے پورا واقعہ کہہ سنایا کہ:

اِس بار جب میں غار کی تنہائی میں عبادت میں مصروف تھا تو اچانک ''فرشتہ'' نمودار ہوا اور کہنے لگا کہ: پڑھو!

میں نے کہا کہ: میں پڑھنے والا نہیں۔

تو اُس نے مجھے پکڑ کر اپنی پوری طاقت سے دبوچا پھر چھوڑ دیا، پھر کہا کہ: پڑھو!

میں نے کہا کہ: میں پڑھنے والا نہیں۔

ایک بار اُس نے پھر مجھے اپنی پوری طاقت سے دبوچا پھر چھوڑتے ہوئے کہا کہ پڑھو!

میں نے کہا کہ: میں پڑھنے والا نہیں۔

پھر اُس نے تیسری بار بھی اُسی طرح زور سے پکڑ کر دبایا اور چھوڑ دیا، پھر کہا:

﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۔ اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۔ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ۔﴾ [العلق: ۱+۵]

(اپنے رب کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا۔ انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمھارا رب بڑا ہی عزت والا ہے جس نے

قلم کے ذریعے علم دیا۔ انسان کو وہ سب کچھ سکھایا جو اُسے معلوم نہ تھا۔)

یہ واقعہ سنا کر آپ نے کہا کہ: ''مجھے اپنی جان کا ڈر لگا ہوا ہے''۔

اِس پر حضرت خدیجہ نے کہا: ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! آپ کو اللہ کبھی رسوا نہ کرے گا:

آپ تو رشتہ داری نبھاتے ہیں،

سچ بولتے ہیں،

مہمان نوازی کرتے ہیں،

دوسروں کا بوجھ اپنے سر لیتے ہیں،

فقیروں کا بھلا کرتے ہیں اور

حقدار کو حق دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

پھر حضرت خدیجہ آپ کو لے کر اپنے چچازاد بھائی 'وَرَقَہ بن نَوفل' کے پاس پہنچتی ہیں جنھوں نے جاہلیت کے زمانے میں عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا۔ وہ عبرانی زبان سے واقف تھے۔ اِس لئے انجیل کو عبرانی سے عربی میں ترجمہ کرتے تھے۔ اُس وقت وہ بوڑھے ہو چکے تھے اور بینائی بھی جاتی رہی تھی۔

حضرت خدیجہ نے اُن سے کہا کہ ذرا اپنے چچازاد بھائی کا حال سنئے! ورقہ نے آپ سے دریافت کیا تو آپ نے سب کچھ بیان کر ڈالا۔ ورقہ نے واقعہ سن کر کہا:

''یہ وہی پُراسرار شخص ہے جو موسیٰ کے پاس آیا کرتا تھا۔ کاش میں زندہ رہتا اور اُس وقت جواں سال ہوتا جب تمھیں تمھاری قوم نکال باہر کرے گی!

آپ نے پوچھا: کیا وہ مجھے نکال باہر کریں گے؟

ورقہ نے کہا: ہاں! تمھارے جیسا واقعہ جس آدمی کے ساتھ پیش آیا، لوگ اُس کے دشمن ہو گئے۔ اُس موقعے پر میں زندہ ہوتا تو تمھاری بڑھ چڑھ کر مدد کرتا۔[1]

---

[1] صحیح البخاری: ۱۴/۱ (حدیث: ۳)، صحیح مسلم: ۱۳۹/۱ (حدیث: ۲۵۲)

سب سے پہلے بیوی نے اسلام قبول کیا

حضرت خدیجہ کے سامنے محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی کھلی کتاب کی طرح تھی۔ آپ کا کردار اُن کے سامنے آئینے کی طرح شفاف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُنھوں نے غارِ حرا میں ہونے والے حیرت انگیز واقعے کو بڑی سنجیدگی سے سنا اور جب آپ نے ایک نامعلوم خدشہ ظاہر کیا تو حضرت خدیجہ نے بڑے ہی اعتماد کے ساتھ یہ کہہ کر اطمینان دلایا کہ آپ کو کچھ ہونے والا نہیں۔ آپ جیسے اعلیٰ اخلاق کا مالک یہاں کون ہے؟ آپ خود بھی نیک ہیں اور دوسروں کے ساتھ بھی نیکی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ آپ جیسے بھلے مانس کو خطرہ کس بات کا؟

حضرت خدیجہ اپنے شوہر نامدار سے اتنی متاثر تھیں کہ وہ غارحرا میں ہونے والی اَنہونی بات کو سو فیصد درست سمجھ رہی تھیں۔ نہ اُنھیں واقعے کی سچائی میں کوئی شک گذرا اور نہ اپنے شوہر کی ذات پر۔ اُنھوں نے واقعے کو معمولی انداز میں نہ لیا، بلکہ اُسے اہمیت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے تحقیق کرنے چل پڑیں۔

ورقہ بن نوفل نے محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہونے والے اُس واقعے کی روشنی میں پیش گوئی کی، وہ بھی حضرت خدیجہ کے لئے کسی حیرانی کا باعث نہ ہوا۔ جیسے اُنھیں یقین تھا ''محمد رسول اللہ ﷺ جیسے اعلیٰ اخلاق کے انسان کے پاس کوئی فرشتہ وحی لے کر آجائے تو حیرت کی بات نہیں، کیونکہ نبی کچھ ایسے ہی اعلیٰ اخلاق کا مالک رہتا رہا ہوگا''۔ ایک تو آپ کے عمدہ کردار اور اعلیٰ اخلاق کے دیدہ زیب اور دلنشیں نمونے پہلے ہی حضرت خدیجہ کا دل موہ چکے تھے۔ اُس پر ورقہ بن نوفل کی پیش گوئی سے آپ کی غیر معمولی شخصیت اُبھر کر اُن کے سامنے آگئی تھی۔

یہ بھی ایک خوشگوار اتفاق ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو سب سے پہلے جس نے نبی مانا اور آنے والے وقتوں میں اُن کی مظلومیت کی شکایت کی پیش گوئی کی، وہ ایک عیسائی عالم تھا۔ اُس عیسائی عالم ہی نے سب سے پہلے نبی کی حیثیت سے آپ کا تعارف پیش کیا۔

اِس واقعے کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنے معمول کے مطابق پھر غارحرا کی تنہائی میں عبادت کے لئے جانے لگے۔ کچھ عرصہ یوں ہی گذر گیا۔ حضرت جبریل کے آنے کا دوبارہ اتفاق نہ ہوا، لیکن ایک مرتبہ جب آپ غارحرا کی عبادت سے فارغ ہوکر باہر نکلے تو آپ وادی میں ٹہل رہے تھے کہ کسی کے پکارنے کی آواز سنی ۔آپ نے گھوم پھر کر ہر طرف دیکھا لیکن کوئی نظر نہ آیا، پھر کسی نے آپ کو پکارا۔ آپ نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر کوئی نظر نہ آیا۔ تیسری مرتبہ جب آپ کو پکارا گیا تو آپ نے آسمان کی جانب سر اٹھایا تو دیکھا کہ جو فرشتہ غار میں آیا تھا؛ وہی آسمان وزمین کے درمیان ہوا پر ٹِکا ہوا، کسی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر آپ کو گھبراہٹ پیدا ہوئی ۔ آپ وہاں سے پلٹے اور سیدھے گھر پہنچے۔ گھر پہنچ کر آپ نے حضرت خدیجہ سے کہا: ’’مجھے کمبل اوڑھاؤ! مجھے کمبل اوڑھاؤ!‘‘۔ حضرت خدیجہ نے آپ کو کمبل اوڑھایا اور آپ کے اوپر کچھ پانی بھی ڈالا، پھر اُسی کیفیت میں آپ پر وحی اترنے لگتی ہے:

﴿يَـاَيُّهَـا الْمُدَّثِّرُ ۔ قُـمْ فَاَنْذِرْ ۔ وَرَبَّـكَ فَـكَبِّرْ ۔ وَثِيَابَـكَ فَطَهِّرْ ۔ وَالرُّجْزَفَاهْجُرْ ۔﴾ [مدثر:۱+۵]

اے کمبل اوڑھنے والے !اٹھو اور لوگوں کو جہنم سے ڈراؤ اور اپنے رب کی تکبیر بولو اور اپنے کپڑے صاف کرو اور بتوں کو چھوڑ و۔[2]

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ پر پوری طرح انکشاف ہوگیا کہ’’ وہ اللہ کے رسول ہیں‘‘ اور آپ نے جب یہی بات اپنی بیوی حضرت خدیجہ کے سامنے رکھی تو وہ لمحہ بھر کی تاخیر کئے بغیر ہی آپ پر ایمان لے آئیں۔

حضرت خدیجہ کے مسلمان ہونے کی صرف یہی ایک وجہ تو تھی کہ اُنھوں نے اپنے شوہر کے رَویّہ میں ایک اعلیٰ اخلاق کے انسان کو پایا تھا جس کو کسی طرح بھی ٹھکرایا نہیں جاسکتا تھا۔ وہ ایک سچا انسان تھا اگر وہ خود کو نبی کہتا تھا تو اُس کا شاندار ماضی دیکھ کر کبھی بھی

---

[2] صحیح مسلم:۱/۲۴۳ (حدیث:۲۵۵)

اُس کے دعوے کو جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔

حضرت خدیجہ بیوی ہونے کے باوجود محمد رسول اللہ ﷺ کے غیر معمولی کردار کی قائل تھیں۔ آپ کی خانگی زندگی کا وہی اعلیٰ اخلاقی معیار تھا جو معاشرے میں آپ کی نیک نامی اور شہرت کا باعث بنا ہوا تھا۔ گھر کی چار دیواری کے اندر آپ اُسی طرح رہتے تھے جس طرح باہر کی دنیا میں، بلکہ گھر کے اندر آپ کا کردار کچھ اور زیادہ شاندار ہو چلا تھا جس نے حضرت خدیجہ کو سب سے زیادہ متأثر کر رکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ محمد ﷺ کی نبوت پر حیرت زدہ نہیں ہوئیں، بلکہ سب سے پہلے وہی مسلمان ہو جاتی ہیں۔[3]

[3] سیرۃ ابن ہشام: ۱/۲۷۷، سیرۃ ابن کثیر: ۱/۴۲۶-۴۲۷

حضرت علی رضی اللہ عنہ دوسرے مسلمان ہوئے

حضرت علی رضی اللہ عنہ جو ابوطالب کے بیٹے اور رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی تھے وہ بچپن ہی سے رسول اللہ ﷺ کی دیکھ ریکھ میں تھے ۔ اُنھوں نے ننھی سی عمر ہی میں رسول اللہ ﷺ کو قریب سے دیکھا تھا۔

جب مکے میں ایک بار سخت قحط پڑا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا عباس سے کہا کہ: آپ دیکھ رہے ہیں کہ زوروں کا قحط پڑا ہے اور آپ کے بھائی ابوطالب کے بال بچے زیادہ ہیں ۔لھذا آئیے ہم اُن کے ایک بیٹے کو اپنی کفالت میں لے لیں اور دوسرے کو آپ اپنی کفالت میں، تا کہ اُن کے بال بچوں کا بوجھ کچھ ہلکا ہو جائے۔

حضرت عباس نے کہا: ٹھیک ہے۔

اِس طرح وہ دونوں ابوطالب کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں: ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے بال بچوں کا بوجھ کچھ ہلکا کریں، تا کہ اُن لوگوں کی یہ بدحالی دور ہو جائے۔

ابوطالب نے کہا: عقیل کو چھوڑ کر جسے چاہے لے لو۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے علی کو اپنے پاس رکھ لیا اور جعفر کو حضرت عباس نے ۔ یہ اعلانِ نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے۔[4]

اِس طرح حضرت علی، رسول اللہ ﷺ کی آغوش میں پرورش پا رہے تھے ۔ حضرت خدیجہ کی طرح اُنھوں نے بھی رسول اللہ ﷺ کی بول چال اور آپ کا اٹھنا بیٹھنا بہت قریب سے دیکھا تھا۔ اُنھیں باپ کی جدائی کا جو کچھ احساس رہا ہو، لیکن رسول اللہ ﷺ کی شفقت بھری صحبت نے اُنھیں آپ سے بہت مانوس کر دیا تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اسلام لانے کے بعد ایک دن وہ آئے تو اُن دونوں کو نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ پوچھا کہ: اے محمد! یہ کیا ہے؟

---

[4] دلائل النبوۃ:۲/۱۶۲، سیرۃ ابن ہشام:۱/۲۸۳، سیرۃ ابن کثیر:۱/۴۲۹، البدایۃ والنہایۃ:۳/۳۴

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''یہ اللہ کا دین ہے جسے اُس نے خود چنا ہے اور اُسی دین کے ساتھ اپنے رسولوں کا بھیجتا رہا ہے، لھٰذا میں تمھیں اللہ اور اُس کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں ۔ جو یکتا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں اور لات وعُزّٰی سے انکار کر دینے کی دعوت دیتا ہوں''۔

حضرت علی نے جواب دیا: ایسی بات تو میں نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی ۔لھذا میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں کرتا، جب تک کہ اپنے والد سے بات نہ کرلوں ۔

رسول اللہ ﷺ کو یہ بات پسند نہ تھی کہ اُن کے اعلان سے پہلے ہی کوئی دوسرا اِس راز کو فاش کرے ۔ اِس لئے آپ نے حضرت علی سے کہا:

''علی ! اگر تم اسلام نہیں لاتے تو ٹھیک ہے، لیکن اِس راز کو پردے میں رکھنا''۔

رات گذار کر حضرت علی، صبح کے وقت آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے *محمد*! آپ نے میرے سامنے کون سی بات پیش کی تھی؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ وہ یکتا ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں ۔تم لات وعُزّٰی کے معبود ہونے کا انکار کرو اور اللہ کے تمام شریکوں سے بیزار ہو جاؤ''۔

حضرت علی نے آپ کی بات مان لی اور اسلام لے آئے ۔[5]

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے تھے تو اُس وقت اُن کی عمر دس سال کی تھی ۔ اِس عمر میں شعور پروان چڑھنے لگتا ہے ۔اُنھیں معاملات کی سُدھ بُدھ ہو چلی تھی ۔ اِسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اُن کے سامنے ''اسلام'' بھی پیش کیا تھا۔ جب اُنھوں نے

---

[5] البدایۃ والنہایۃ: ۳/۳۴، دلائل النبوۃ: ۲/۱۶۱، سیرۃ ابن کثیر: ۱/۴۲۸

ایک بالکل نئی بات سنی تو نہ اُنھیں اِس پر کوئی گھبراہٹ ہوئی اور نہ وہ حیرت زدہ ہی تھے، بلکہ وہ اِس نئی اور انوکھی بات کو سن کر سنجیدہ ہو گئے تھے، کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے منہ سے نکلی ہوئی بات تھی۔ مگر چونکہ بات بہرحال نئی تھی، اِس لئے اُنھوں نے اپنے والد سے مشورہ کرنے کی اجازت چاہی اور رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے سے اُنھیں منع کر دیا تو وہ مان بھی گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی پر کسی طرح کا کوئی دباؤ نہیں بنایا، بلکہ سیدھے سادے انداز میں یہ کہہ دیا کہ اگر تم میری بات مان لیتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ کسی دوسرے سے کہنے کی ضرورت نہیں۔

دیکھا جائے تو حضرت علی کو اپنے والد سے ضرور مشورہ کرنا چاہئے تھا، کیونکہ محمد ﷺ جو باتیں کر رہے تھے، وہ ٹھیک اُن کے والد اور اُن کی پوری برادری کے خلاف تھیں، لیکن اُنھوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں نہ اپنے والد کو کوئی اہمیت دی اور نہ اپنی برادری کا کچھ خیال کیا۔ ظاہر ہے کہ اُن کے ذہن و دل پر رسول اللہ ﷺ کی عظمتوں کی چھاپ بڑی گہری تھی۔ شاید وہ اُس رات یہی سوچتے رہے کہ......

......محمد رسول اللہ ﷺ کتنے سچے انسان ہیں اور آج اُنھوں نے بالکل ہی ایک نئی اور انوکھی بات کر ڈالی ہے......وہ سچے ہیں تو اُن کی انوکھی بات بھی سچی ہوگی......اُن کی بات کو جھٹلانے کا مطلب ہے: اُن کو جھوٹا بنانا......حالانکہ برادری اُن کی سچائی کے قصیدے پڑھتی ہے......

اُن کا ذہن سوچتے سوچتے اِس بات پر آ کر ٹھہر گیا کہ جس انسان نے کبھی جھوٹ نہ بولا ہو وہ آج کیوں اور کس کے لئے جھوٹ بولنے لگا؟ جبکہ اِس جھوٹ سے اُسے کسی طرح کا کوئی فائدہ بھی پہنچنے والا نہیں اور وہ بھی میرے ایسے لڑکے سے جس کے پاس نہ دولت ہے اور نہ کوئی منصب۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوچنے کا انداز صحیح تھا۔ اِس لئے نتیجہ بھی درست نکلا۔

صبح ہوئی تو اپنے والد کو بتائے بغیر رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر مسلمان ہوگئے۔ اُنھیں رسول اللہ ﷺ پر اپنے والد سے زیادہ اعتماد تھا اور وہ آپ کو اپنے والد سے زیادہ سچا انسان سمجھتے تھے۔ اِسی لئے اُنھوں نے مسلمان ہونے سے پہلے نہ اپنے والد کو کچھ بتایا اور نہ مسلمان ہونے کے بعد۔ اُنھیں ڈر تو تھا کہ والد کو معلوم ہوگا تو جانے میری کیا دُرگت بنے گی؟ اِس کے باوجود اُنھوں نے اپنی جان جوکھِم میں ڈال دی اور اِس بات کی کچھ پروانہ کی کہ اُن کے والد کس طرح اُن کے ساتھ پیش آئیں گے۔ اِسی ڈر سے وہ اپنا 'اسلام' چھپا رہے تھے، لیکن ایک روز یہ راز فاش ہوکر رہا۔

چنانچہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نماز پڑھنے کے لئے مکے کی گھاٹیوں کی طرف نکلے۔ ساتھ میں حضرت علی بھی تھے...... وہ اپنے والد ابوطالب اور اپنے چچاؤں اور اپنی قوم سے چھپتے چھپاتے ساتھ ہولیا کرتے تھے...... آپ دونوں نے گھاٹیوں میں نمازیں ادا کیں پھر شام تک واپس آئے۔ کچھ دنوں تک یہی آپ دونوں کا معمول رہا۔ آخر کار ایک دن ابوطالب کو پتہ چل گیا۔ اُنھوں نے آپ دونوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا۔ اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اے بھتیجے! یہ کیسا دین ہے جس پر میں تمھیں کاربند دیکھ رہا ہوں؟

آپ نے جواب دیا:

> ''اے چچا! یہ اللہ کا دین ہے۔ یہ اُس کے فرشتوں کا دین ہے۔ یہ اُس کے رسولوں کا دین ہے۔ یہ ہمارے باپ ابراہیم کا دین ہے۔ اِسی دین کے ساتھ اللہ نے مجھے بندوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اے چچا! آپ سب سے زیادہ میری خیر خواہی کے مستحق ہیں۔ میں آپ کو ہدایت کی دعوت دیتا ہوں۔ اب تک جنھوں نے میری دعوت کو قبول کیا ہے اور میری مدد کی ہے، اُن سے زیادہ آپ کی ذمہ داری بنتی ہے''۔

ابوطالب نے کہا: اے بھتیجے! مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اپنے باپ دادا اور

پورے سماج کے دین کو چھوڑ دوں، لیکن اللہ کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں، تمھارا کوئی بال بیکا نہیں کرسکتا۔

اُنھوں نے حضرت علی سے پوچھا: بیٹے! جس دین پر تم ہو، وہ کیا ہے؟

اُنھوں نے جواب دیا: والد گرامی! میں اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں جو کچھ اُنھوں نے مجھے بتایا ہے، مان لیا ہے۔ میں نے اُن کے ساتھ اللہ کی نماز پڑھی ہے اور اُن کی پیروی کی ہے۔

اِس پر ابوطالب نے کہا: وہ تمھیں صرف بھلائی کی دعوت دے گا، لھٰذا اُس کا ساتھ پکڑے رہو۔[6]

حضرت علی ڈر رہے تھے کہ اُنھوں نے جو کام کیا ہے، اگر والد کو معلوم ہوا تو وہ تِلمِلا اٹھیں گے، لیکن اُس کا ردّعمل کچھ اور ہی نکلا جو حضرت علی نے کبھی سوچا ہی نہ تھا۔ حضرت علی کی حرکت سے والد کو ذرا بھی ناراضی نہ تھی، اُلٹے وہ خوش ہو رہے تھے کہ اُس نے ایک اچھے انسان کا ساتھ پکڑا ہے اور یہ تاکید کررہے تھے کہ اُس کا ساتھ کبھی نہ چھوڑنا۔

''اسلام'' کے تعلق سے ابوطالب کا ایسا تأثر کیوں تھا؟

اُن کا تجربہ تھا کہ محمد ﷺ نے کبھی کسی کا برا نہیں چاہا۔ اُنھوں نے اپنی قوم میں کبھی کوئی بگاڑ پیدا نہیں کیا۔ نہ وہ غلط سوچتے تھے اور نہ غلط کرتے تھے۔ اِس پر سے وہ ہمیشہ سچ ہی بولتے تھے۔ وہ تنہائی پسند تھے۔ اللہ کی عبادت سے کام رکھتے تھے۔ اُنھیں اقتدار کی ہوس تھی اور نہ دولت کا لالچ۔ اگر وہ ہمارے باپ دادا کے دین سے ہٹ کر کوئی نیا دین پیش کررہے ہیں تو ضرور یہ بھی لوگوں کے فائدے ہی کی بات ہوگی۔ وہ ہمارے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ رکھتے ہیں۔

ابوطالب کو رسول اللہ ﷺ کے اُس نئے دین کی سچائی پر پورا یقین تھا۔ آپ کی باتیں سن کر اُن کے ماتھے پر کوئی بل نہ آیا۔ اُن کے باپ دادا اور اُن کی پوری قوم کے خلاف

---

[6] سیرۃ ابن ہشام: ۱/۲۸۳-۲۸۴

ایک نیا دین پیش کیا جا رہا ہے اور وہ پُرسکون ہوئے جا رہے ہیں۔ اُس دین کی مخالفت کے بجائے حمایت پر کمر کس لی۔ وہ خود مسلمان نہیں ہوئے۔ اِس لئے نہیں کہ اُنھیں ''اسلام'' پر کوئی شک تھا، بلکہ اِس لئے کہ لوگ اُنھیں طعنہ نہ ماریں کہ چچا نے بھتیجے کی پیروی اختیار کر لی اور اپنے باپ عبدالمطلب کے دین کو خیر باد کہہ دیا۔ اُنھیں اپنا وقار کچھ زیادہ ہی عزیز تھا۔ عزت و وقار کی محبت ہمیشہ ہی انسان کو حق سے باز رکھتی ہے۔ یہ انسان کی فطرت کا تقاضا ہے۔ جب یہ فطرت انسان کی فکر پر غالب ہوتی ہے تو وہ ہر اُس کام سے دور بھاگتا ہے جس سے اُس کا وقار خطرے میں پڑتا ہو، چاہے وہ کھلا ہوا حق ہی کیوں نہ ہو۔ ابو طالب بھی بہرحال تھے تو ایک انسان ہی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لڑکپن ہی میں اسلام قبول کر لیا، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے سے اُن کی کوئی ذہن سازی بھی نہ کی تھی، کیونکہ کچے ذہن اور چھوٹی عمر کے لڑکے اپنے آس پاس جو کچھ ہوتا دیکھتے ہیں اور جس کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں، وہ اُسی میں ڈھل جاتے ہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے بالکل اچانک ہی ان کے سامنے ''اسلام'' پیش کر دیا تھا۔ دھیرے دھیرے ذہن سازی کرنے اور اپنے ماحول میں ڈھالنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر کے اُس سچائی کو قبول کر لیا تھا جسے وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے ہر اُتار چڑھاؤ میں دیکھتے آ رہے تھے۔

تیسرے مسلمان: حضرت زَید بن حارِثہ رضی اللہ عنہ

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھائی کے لڑکے ''حِزام'' ملک شام سے کچھ غلام لے کر آئے تھے جن میں ''زید بن حارثہ'' بھی شامل تھے۔ایک دن اُن کی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اُن کے پاس آئیں تو اُنھوں نے اپنی پھوپھی سے کہا کہ: آپ اِن میں سے جس غلام کو چاہیں لے لیں تو اُنھوں نے زید بن حارثہ کو پسند کر کے لے لیا۔اُس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ ﷺ سے نکاح ہو چکا تھا۔رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ کو حضرت خدیجہ کے پاس دیکھا تو اُن سے مانگ لیا۔حضرت خدیجہ نے اُنھیں دے بھی دیا۔پھر رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ کو آزاد کر کے اپنا لے پالک بیٹا بنالیا۔یہ اعلان نبوت سے پہلے کی بات ہے جبکہ زید بن حارثہ آٹھ سال کے تھے۔

زید کے والد حارثہ کو اپنے بیٹے کی جدائی کا بڑا غم تھا۔وہ اُنھیں یاد کر کے روتے جاتے تھے۔بیٹے کے غم میں نڈھال ہو کر وہ اُن سے ملنے آئے تو اُنھیں رسول اللہ ﷺ کے پاس پایا۔رسول اللہ ﷺ نے زید سے کہا کہ چاہو تو میرے پاس رہو یا اپنے والد کے ساتھ چلے جاؤ۔

زید نے کہا: نہیں! میں آپ کے پاس رہوں گا۔

اِس طرح وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس رہ رہے تھے کہ اللہ نے آپ کو نبی بنا کر ظاہر کیا تو زید بن حارثہ نے آپ کو سچا مان لیا اور اسلام لے آئے اور آپ کے ساتھ نماز پڑھنے لگے۔[7]

رسول اللہ ﷺ کی صحبت نے ذہنوں میں کیسا انقلاب برپا کر رکھا تھا! حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پردیس میں ہیں اور اُن کے والد اُن کے لئے تڑپ رہے ہیں، بلک رہے ہیں۔باپ کی شفقت و محبت میں کوئی کمی نہیں۔اِس کے باوجود وہ رسول اللہ ﷺ سے

---

[7] سیرۃ ابن ہشام: ۱/۲۸۴-۲۸۵

دور رہ کر زندگی گذارنا نہیں چاہتے۔ یہ کیسا انقلاب تھا کہ زید بن حارثہ نے پردیس کے ایک اجنبی کو اپنے باپ سے زیادہ اہمیت دے رکھی تھی! وہ اپنے والد کے ساتھ وطن جانے کی قطعاً کوئی خواہش نہ رکھتے تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ اُنھیں والد کی بے انتہا شفقت و محبت تو مل سکتی ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ کی دلچسپ زندگی کے وہ نظارے نہیں مل سکتے جو دل و نگاہ کی پاکیزگی کا کام کرتے ہیں۔ اخلاق و کردار کی اُس عظمت کو نہیں پا سکتے جن سے گوشت پوست کا آدمی حقیقت میں انسان بنتا ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اپنے والد کو نظر انداز کر دینے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے کا یہ جذبہ اعلان نبوت سے پہلے ہی اُن کے اندر موجود تھا۔ اعلان نبوت کے بعد اگر یہ واقعہ پیش آتا تو کہا جا سکتا تھا کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نبوت کے دباؤ میں تھے۔ نبوت تو بعد کی چیز تھی، وہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے ہی متأثر ہو چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اُن کی نظر میں کتنے عظیم انسان تھے کہ جب آپ نے اپنی نبوت پیش فرمائی اور اُنھیں توحید کی دعوت دی تو وہ اُس عظیم انسان کو بغیر کسی دلیل کے نبی ماننے کو تیار ہو گئے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ صرف اِسی لئے تو مسلمان ہوئے کہ اُن پر رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و کردار کی جو عظمت چھائی ہوئی تھی، اُس بنا پر وہ آپ کو نبی مانے بغیر نہ رہ سکے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا

دھیرے دھیرے یہ خبر ایک کان سے دوسرے کان تک پہنچ گئی کہ محمد ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ حضرت ابوبکر کے کانوں میں بھی یہ صدا پہنچی تو وہ براہِ راست آپ سے گفتگو کرنے چل پڑے۔ حضرت ابوبکر، اعلان نبوت سے پہلے ہی آپ کے گہرے دوست تھے۔ یہ بڑے اثر ورسوخ والے آدمی تھے اور اپنی قوم کے محبوب نظر تھے۔ لوگ اُن کے پاس معاملات کا فیصلہ کرانے آتے تھے، کیونکہ وہ ایک تجربہ کار تاجر ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے بھید بھاؤ کے بھی تھے۔ لوگوں سے اچھی طرح ملتے اور اچھے اخلاق سے پیش آتے تھے۔[8]

چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ سے آکر پوچھتے ہیں:

''اے محمد! جو کچھ قریش کے لوگ کہہ رہے ہیں، کیا وہ سچ ہے کہ آپ نے ہمارے معبودوں کو چھوڑ دیا ہے، ہمیں بیوقوف قرار دیا ہے اور ہمارے باپ دادا کو کافر بتایا ہے؟''۔

رسول اللہ ﷺ نے کہا:

> ''کیوں نہیں! میں اللہ کا رسول اور اُس کا نبی ہوں۔ مجھے اُس نے اِس لئے بھیجا ہے کہ میں رسالت کی تبلیغ کروں۔ میں تمھیں حق کے ساتھ اللہ کی دعوت دیتا ہوں۔ اللہ کی قسم! بے شک وہ حق ہے۔ اے ابوبکر! میں تمہیں ایک اللہ کی دعوت دیتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں اور کسی دوسرے کی عبادت مت کرو اور اللہ کی فرمانبرداری میں لگے رہو''۔

آپ نے اُنھیں قرآن پڑھ کر بھی سنایا۔ اُنھوں نے ہاں ناں کچھ نہ کیا، سیدھے اسلام قبول کرلیا۔ بتوں کا انکار کردیا۔ اللہ کے شریکوں کو چھوڑ دیا اور اسلام کی حقانیت کو مان لیا۔

---

[8] سیرۃ ابن کثیر: ۱/۴۳۷، سیرۃ ابن ہشام: ۱/۲۸۶-۲۸۷

وہ وہاں سے پلٹے تو مومن ہو کر اور رسول اللہ ﷺ کو سچا جان کر۔[9]

کہتے ہیں کہ آدمی اپنے دوست سے پہچانا جاتا ہے۔جس آدمی کے پاس اٹھنے بیٹھنے والے، اُس کے دوست احباب نیک سیرت ہوں تو لوگ اُسے بھی نیک سیرت خیال کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے حضرت ابوبکر کا دوستانہ اِس بات کی گواہی دیتا ہے کہ حضرت ابوبکر کی نظر میں بھی آپ بڑے نیک سیرت تھے اور اُن کے لئے بہت زیادہ قابلِ اعتماد بھی۔

پوری قوم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کردار سے متأثر تھی، اُن پر اعتماد کرتی تھی، اُن کو اپنا بڑا امانتی تھی اور اُن کی باتوں پر کان دھرتی تھی، لیکن حضرت ابوبکر خود رسول اللہ ﷺ کے کردار سے متأثر تھے اور اُن پر اعتماد کرتے تھے۔

جب کوئی نیک سیرت کسی دوسرے کو نیک سیرت خیال کرے تو اُس دوسرے کے نیک سیرت ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔یوں ہی جب کوئی معتمد انسان خود کسی دوسرے پر اعتماد رکھتا ہو تو وہ دوسرا بڑا ہی قابلِ اعتماد ہوگا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کی اِس کے سوا کوئی اور وجہ نہیں کہ اُنھوں نے اپنی دوستی کے گذرے ہوئے دنوں میں رسول اللہ ﷺ کو کچھ اتنا ہی عظیم پایا تھا کہ آپ کو بغیر سوچے سمجھے اللہ کا نبی مان لیا، جبکہ دوستی برابری کا رشتہ ہوتا ہے۔اُس میں نہ کوئی چھوٹا ہوتا ہے اور نہ بڑا۔اگر چہ عمر میں کچھ فرق ہی کیوں نہ ہو یا کوئی ایک کسی بڑے منصب اور مرتبے ہی کا کیوں نہ ہو اور پھر یہ رشتہ بے تکلفی کا ہوتا ہے۔اس میں کبھی کبھی اخلاقی تقاضے چھوٹ جاتے ہیں، لیکن حضرت ابوبکر نے اپنی اُس دوستی میں رسول اللہ ﷺ کو ایسا نیک، سچا اور بہتر پایا تھا کہ اُن کے اندر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ برابری کا کبھی جذبہ ہی نہ آیا، حالانکہ وہ اپنی قوم کے پنچ تھے اور وہ بھی مقبول اور محبوب پنچ۔پھر بھی اپنے منصب اور مقام کا لحاظ کئے بغیر آپ کو اللہ کا نبی مان لیا۔

---

[9] دلائل النبوۃ: ۲/۱۶۳-۱۶۴، سیرۃ ابن کثیر: ۱/۴۳۳

حضرت ابوبکر جیسے اخلاق مند انسان کا رسول اللہ ﷺ سے متأثر ہونا اِس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے ہمیشہ اخلاقی تقاضوں کو پورا کیا تھا۔ چاہے وہ بے تکلف دوستی کا رشتہ نبھانے کا موقع ہی رہا ہو۔

مانا کہ رسول اللہ ﷺ بڑے اخلاق والے تھے اور عظیم کردار رکھتے تھے، لیکن حضرت ابوبکر نے کچھ تو چھان بین کی ہوتی، کیونکہ یہ کوئی معمولی بات تو تھی نہیں، بلکہ نبوت کا ایک غیر معمولی واقعہ اور حیرت انگیز مسئلہ تھا۔ کچھ تو پوچھ گچھ ہونی چاہئے تھی کہ آپ کیوں اور کیسے نبوت کا دعویٰ لے کر کھڑے ہو گئے؟

اصل میں حضرت ابوبکر، رسول اللہ ﷺ کے گہرے دوست تھے۔ اِس وجہ سے آپ اُنھیں کچھ راز کی باتیں بھی بتایا کرتے تھے۔ نبوت سے پہلے آپ کے ساتھ حیرت انگیز واقعات پیش آتے تھے۔ اُن میں سے ایک واقعہ یہ بھی تھا کہ آپ جب کبھی کھلی جگہ میں (قضائے حاجت کے لئے) نکلتے تو کوئی ''یا محمدؐ'' کہہ کر آپ کو پکارتا۔ آپ جب اُس آواز کو سنتے تو بھاگ کر ابوبکر کے پاس آتے اور اُنھیں رازدارانہ طور پر پوری بات بتا دیا کرتے تھے۔[10]

اِس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رسول اللہ ﷺ کی غیر معمولی شخصیت واضح ہوتی جا رہی تھی۔ چنانچہ جب اُن کے سامنے آپ کی نبوت کی بات آئی تو یہ اُن کے لئے بالکل اجنبی بات نہ تھی۔ لگتا ہے رسول اللہ ﷺ کی شان دیکھ کر پہلے ہی سے اُنھیں ایسا کچھ اندازہ ہو چلا تھا۔ اِسی لئے کسی پوچھ گچھ کے بغیر ہی اُنھوں نے آپ کو اللہ کا نبی مان لیا۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ نے اُن کے ایمان لانے کے اِس اچھے انداز کو سراہا بھی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا تھا:

> ''میں نے جس کو بھی اسلام کی دعوت دی، اُس نے بے توجہی برتی، تردّد میں پڑ گیا اور سوچ بچار کرنے لگا، سوائے ابوبکر کے۔ جب

[10] دلائل النبوۃ: ۲/۱۶۳-۱۶۴

میں نے اُن سے اسلام کا ذکر کیا تو نہ اُنھوں نے اُسے قبول کرنے میں دیر لگائی اور نہ تردّد میں پڑے۔[11]

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بے شک اللہ نے مجھے تم لوگوں کے پاس رسول بنا کر بھیجا تو تم لوگوں نے جھٹلا دیا، لیکن ابوبکر نے مجھے سچا مان لیا اور جان و مال سے میری مدد کی۔) [12]

اِس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کی صرف دو وجہ تھی:

ایک تو یہ کہ اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو نہایت سچا اور اعلیٰ اخلاق کا انسان پایا تھا۔

دوسرے یہ کہ اُنھوں نے آپ کی شخصیت میں کچھ غیر معمولی اوصاف دیکھے تھے جو آپ کو عام انسانوں سے ممتاز کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی کوئی تیسری وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

---

[11] دلائل النبوۃ:۲/۱۶۴، سیرۃ ابن ہشام:۱/۲۸۸، سیرۃ ابن کثیر:۱/۴۳۳

[12] صحیح البخاری:۳/۹ (حدیث:۳۶۶۱)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے

نَو لوگ مسلمان ہوئے

چونکہ حضرت ابوبکر اپنی قوم کے معزز آدمی تھے۔ اِس لئے لوگوں کا اُن کے پاس اٹھنا بیٹھنا تھا۔ اُن کے مسلمان ہونے کے بعد بھی یہ سلسلہ باقی رہا۔ اُن کے پاس جن لوگوں کا زیادہ اٹھنا بیٹھنا تھا اور جو اُن کے اعتماد کے آدمی تھے، اُنھیں اسلام کی دعوت دی تو نو لوگ مسلمان ہونے کو تیار ہو گئے، جن کے نام یہ ہیں:

- زبیر بن عوام
- عثمان بن عفان
- طلحہ بن عبیداللہ
- سعد بن ابی وقاص
- عبدالرحمٰن بن عوف ......رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

یہ لوگ حضرت ابوبکر کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ نے اُن کے سامنے اسلام پیش کیا اور اُنھیں قرآن پڑھ کر سنایا اور اُن پر اسلام کی حقانیت کو اجاگر کیا تو وہ لوگ ایمان لے آئے۔ [13]

دوسرے روز پھر وہ عثمان بن مَظعُون، اَبوعُبَیدَہ بن جَرَّاح، اَبوسَلَمہ بن عبدُ الاسَد اور اَرْقَم بن اَبوالاَرْقَم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو لے کر آئے جنھوں نے اسلام قبول کیا۔ [14]

یہ لوگ آخر مسلمان کیوں ہوئے؟ اِسی لئے تو کہ یہ حضرت ابوبکر سے بہت زیادہ متأثر تھے اور اُن پر حد درجہ اعتماد کرتے تھے۔ جب اُنھوں نے اُن لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو سبھوں نے اُس دعوت کو سنجیدگی سے لیا اور سمجھ بوجھ کر اپنے مسلمان ہونے کا فیصلہ کیا۔

---

[۱۳] سیرۃ ابن ہشام: ۲۸۷/۱، دلائل النبوۃ: ۱۶۵/۲، البدایۃ والنہایۃ: ۳۹/۳

[۱۴] البدایۃ والنہایۃ: ۳۹/۳

یہ لوگ حضرت ابوبکر کے دباؤ میں نہ تھے، بلکہ پوری طرح آزاد تھے اور سوچنے اور سوچ کر فیصلہ کرنے والا دماغ رکھتے تھے۔ اُنھوں نے دیکھا اور سوچا کہ ابوبکر اچھے بھلے انسان ہیں۔ وہ جس راستے پر جا رہے ہیں، اُس میں کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا۔ جب یہ لوگ اپنے معاملات کو آ کر اُن سے سمجھتے تھے اور رہنمائی چاہتے تھے تو دین کے معاملے میں اُن کی رہنمائی کو کیسے ٹھکرا سکتے تھے؟ بس یہی مثبت سوچ اُن حضرات کے مسلمان ہونے کا سبب بنی۔

حضرت طَلحہ بن عُبَیدُ اللہ رضی اللہ عنہ

حضرت طلحہ بن عبید اللہ جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تحریک پر ایمان لائے تھے۔ ایمان لانے سے پہلے اُن کے ساتھ ایک انوکھا واقعہ پیش آیا تھا جسے وہ خود بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

میں بصرہ کے بازار میں داخل ہوا تھا تو وہاں گرجا گھر میں ایک راہب تھا۔ اُس نے کہلوایا کہ پوچھو اِس میلے میں مکے کا کوئی آدمی ہے؟

میں نے بتایا کہ: ہاں! میں ہوں۔

اس نے پوچھا: کیا احمد کا ظہور ہو گیا؟

میں نے پوچھا: کون احمد؟

اُس نے بتایا: عبداللہ کے بیٹے، عبدالمطلب کے پوتے۔

یہ وہی مہینہ ہے جس میں اُن کا ظہور ہونا ہے۔ وہ آخری نبی ہیں جو مکے سے نکل کر اُس سرزمین کی طرف ہجرت کریں گے جہاں کھجور کے درخت ہوں گے۔ نہ وہاں ریت ہے اور نہ کھیتی باڑی۔ لھذا اُن پر ایمان لانے میں تم سے کوئی آگے نہ بڑھ جائے۔

طلحہ کہتے ہیں کہ: راہب کی بات میرے دل میں بیٹھ گئی۔ میں وہاں سے بھاگ کر مکہ آیا۔ میں نے پتہ کیا کہ یہاں کوئی نئی بات پیدا ہوئی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ: ہاں! ''محمد بن عبداللہ اَمین' نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور ابوقحافہ کے بیٹے ابوبکر ان کے پیروکار ہو گئے ہیں۔ میں وہاں سے نکل کر ابوبکر کے پاس آیا۔ اُن سے پوچھا کہ: کیا آپ نے اُس آدمی کی پیروی کر لی ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا:

ہاں! تم بھی اُن کے پاس جاؤ اور اُن کی پیروی کرو، کیونکہ وہ حق کی دعوت دے رہے ہیں۔

تب طلحہ نے حضرت ابوبکر کو راہب کی بات بتائی تو حضرت ابوبکر، طلحہ کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ طلحہ نے یہاں آکر اسلام قبول کرلیا اور اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو راہب کی بات سنائی تو آپ اُسے سن کر خوش ہوگئے۔[15]

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کا سبب ایک حیرت انگیز انکشاف تھا۔ حضرت طلحہ، مکے میں رہ کر جن باتوں سے بے خبر تھے؛ بصرہ کے ایک راہب نے ٹھیک ٹھیک اُنھیں بتا دیا تھا۔ حضرت طلحہ کا راہب کی باتوں سے متأثر ہونا ظاہر کرتا ہے کہ گفتگو سنجیدہ ماحول میں ہوئی تھی اور راہب کے ایک ایک لفظ سے یقین، اعتماد اور سچائی پھوٹ رہی تھی۔ حضرت طلحہ حیران ہو کر اُلٹے پاؤں مکہ لوٹ آئے۔ راہب نے جو کچھ کہا تھا، اُس کا ایک ایک حرف یہاں سچ ثابت ہو چکا تھا۔ یہ معلوم کر کے حضرت طلحہ کی حیرت مزید بڑھ گئی۔ وہ حیرت زدہ تو تھے ہی، مگر جب پتہ چلا کہ اپنی قوم کے معزز ترین شخص 'ابوبکر' نے ہی سب سے پہلے محمد ﷺ کو ''نبی'' مان لیا ہے تو اُن کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ راہب کے حیرت انگیز انکشاف اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تعجب خیز پیروی دیکھ کر اُن سے رہا نہ گیا۔ شاید وہ ذہنی طور پر پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے، اِسی لئے حضرت ابوبکر کی اک ذرا تحریک اور دعوت پر اُنھوں نے لبّیک کہی اور زندگی بھر کے لئے مسلمان ہوگئے۔

---

[15] دلائل النبوۃ:۲، البدایۃ والنہایۃ:۴۰/۳

حضرت اَبوذَر غِفارِی رضی اللہ عنہ

جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ نے نبوت کا اعلان کیا ہے تو اُنھوں نے اپنے بھائی سے کہا کہ:

مکے کی وادی میں جاؤ اور اُس آدمی کا حال معلوم کر کے مجھے بتاؤ جس کا دعویٰ ہے کہ وہ ''نبی'' ہے اور اُس کے پاس آسمان سے خبر آتی ہے۔ اُس کی باتیں سننا پھر مجھے آ کر بتانا۔

اُن کا بھائی روانہ ہوتا ہے اور آپ کے پاس آ کر آپ کی باتیں سنتا ہے، پھر وہ اَبوذَر کو آ کر بتاتا ہے کہ:

میں نے اُنھیں دیکھا کہ وہ اچھے اخلاق کا حکم دیتے ہیں اور ایک ایسا کلام پیش کرتے ہیں جو شعر نہیں۔

یہ سن کر اُنھوں نے کہا: میں جو تشفی چاہتا تھا، وہ تم سے نہ ہو سکی۔

پھر وہ توشہ اور پانی بھرا ایک مشکیزہ لے کر مکہ آئے۔ کعبے کے پاس آ کر اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو تلاش کیا۔ وہ آپ کو پہچانتے نہ تھے اور آپ کے بارے میں کسی سے پوچھنا بھی پسند نہ کیا، یہاں تک کہ رات ہوگئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُنھیں دیکھا تو سمجھ گئے کہ وہ کوئی اجنبی ہے اور وہ اُن کے پیچھے لگ گئے۔ اُن میں سے کسی نے ایک دوسرے سے کچھ نہیں پوچھا، یہاں تک کہ صبح ہوگئی، پھر وہ اپنا مشکیزہ اور توشہ لے کر کعبے کی طرف چل پڑے۔ وہ دن بھر چلتے رہے، لیکن رسول اللہ ﷺ اُن کو دکھائی نہ دیئے، یہاں تک کہ شام ہوگئی اور وہ اپنی آرامگاہ کی طرف لوٹ چلے، پھر وہاں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گذر ہوا تو اُنھوں نے کہا: کیا آپ کو ابھی تک اپنی منزل نہیں ملی؟

حضرت علی نے اُن کو اپنے ساتھ ٹھہرایا۔ اُنھیں اپنے ساتھ لے گئے، لیکن اُن میں سے کسی نے ایک دوسرے سے کچھ نہ پوچھا؟

یہاں تک کہ جب تیسرا دن ہوا تو حضرت علی نے اُن کو پھر وہی بات کہی اور

اُنھیں اپنے ساتھ ٹھہرایا تب اُنھوں نے پوچھا: کیا آپ اپنے آنے کا سبب مجھ سے بیان نہ کریں گے؟

ابوذر نے کہا: اگر آپ مجھ سے پکّا وعدہ کریں کہ آپ میری رہنمائی کریں گے تو میں آپ کو آنے کا سبب بتاؤں گا۔

حضرت علی نے وعدہ کیا تو ابوذر نے بتا دیا۔

تب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہنا شروع کیا کہ:

بے شک وہ حق پر ہیں۔ بے شک وہ اللہ کے رسول ہیں۔
جب صبح ہوگی تو میرے ساتھ چلنا۔ اگر میں رستے میں کوئی ایسی چیز دیکھوں جس سے آپ کو خطرہ ہوگا تو میں اِس طرح رُک کر کھڑا ہو جاؤں گا جیسے پیشاب کر رہا ہوں اور اگر میں آگے بڑھ جاؤں تو آپ پیچھے پیچھے آیئے گا، یہاں تک کہ میں جس گھر میں داخل ہوں گا، آپ بھی داخل ہو جایئے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ رُکتے ٹھہرتے چلتے رہے، یہاں تک کہ نبی ﷺ کے پاس پہنچے۔ ابوذر بھی اُن کے ساتھ آ گئے۔ ابوذر نے آپ کی گفتگو سنی اور اُسی جگہ اسلام قبول کر لیا۔

نبی ﷺ نے اُنھیں کہا کہ اپنی قوم میں واپس جاؤ اور اُنھیں خبر کر دو، یہاں تک کہ تمھارے پاس میرا کوئی حکم آئے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں ضرور کافروں کے درمیان اِسے چیخ چیخ کر کہوں گا۔

چنانچہ وہ باہر آئے اور کعبے کے پاس پہنچ کر بلند آواز سے کہا:

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک محمد اللہ کے رسول ہیں۔

کافروں نے سنا تو اُنھیں مار مار کر زمین پر لٹا دیا۔ حضرت عبّاس آ کر اُن پر جھک

پڑے اور کہنے لگے: تم لوگوں پر افسوس ہے! کیا تمھیں نہیں معلوم کہ وہ قبیلۂ غِفار سے تعلق رکھتا ہے اور تمھاری تجارت کا راستہ اُسی طرف سے ہوکر 'شام' کو جاتا ہے، چنانچہ حضرت عباس نے اُنھیں کافروں سے بچالیا۔

کل ہوکر اُنھوں نے پھر وہی نعرہ بلند کیا تو کافر اُن پر ٹوٹ پڑے اور مارنے لگے۔ حضرت عباس نے پھر اُنھیں جھک کر بچالیا۔[16]

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اسلام کیوں قبول کیا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ملاقات نے اُن کے ذہن میں پہلے ہی یہ بات ڈال دی تھی کہ محمد ﷺ حق پر ہیں اور وہ اللہ کے رسول ہیں، پھر حضرت علی نے اُنھیں جو کچھ بتایا تھا اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔

اگر آدمی سادہ طبیعت کا ہو تو اُسے اچھی باتیں کرنے والے لوگ ضرور پسند آئیں گے۔ تھوڑی دیر کی گفتگو سے حضرت ابوذر کے دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ آپ اچھی باتیں کرنے والے ایک اچھے انسان ہیں۔ حضرت ابوذر نے جب آپ کو اچھا انسان سمجھ لیا تو وہ آپ کو نبی ماننے بغیر نہ رہ سکے۔ اُس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اُنھوں نے آپ سے ایک ایسا کلام بھی سنا تھا جو کہنے کو شعر تھا، مگر اُسے شعر سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ آپ کی بات چیت، آپ کا رکھ رکھاؤ اور آپ کا منفرد کلام؛ سب نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پر گہرا اثر ڈالا۔ حضرت ابوذر نے فوراً ہی اِس طرح کلمہ پڑھ لیا جیسے اُنھیں مزید کچھ سوچنے سمجھنے اور کسی سے رائے مشورہ کرنے کی بالکل ہی کوئی ضرورت نہ تھی۔ وہ مسلمان ہونے کے بعد اسلام کے تئیں اتنے جذباتی ہوگئے کہ کافروں کے اُس اجنبی ماحول میں بت پرستی کے خلاف اسلام کی حقانیت کا نعرہ لگانے لگے۔ اُنھیں مارا پیٹا گیا، پھر بھی اُن کا نشہ نہ اُترا۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھوڑی دیر کی صحبت نے اُن کے اندر ایسا زبردست انقلاب برپا کردیا تھا۔ کیا یہ دنیا کی کسی دوسری طاقت سے ممکن تھا؟

---

[16] صحیح البخاری: ۵۰۹/۲ (حدیث: ۳۵۲۲)، اُسد الغابۃ: ۱۰۰/۶، الاصابۃ: ۱۰۶/۷-۱۰۷

حضرت بلال رضی اللہ عنہ

حضرت بلال، عبداللہ بن جدُعان نامی شخص کے غلام تھے جو اُس کی بکریاں چَراتے تھے۔اُس آدمی کے پاس سَو اَیسے (مُوَلّد) غلام تھے جن کے باپ عربی اور ماں عجمی نسل کی تھیں۔اُس نے بلال کے سوا سب کو مکے سے باہر بھیج دیا تھا۔

ایک دن رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر کسی غار میں روپوش تھے کہ اُدھر سے بلال اپنی بکریاں چَراتے ہوئے گذرے۔رسول اللہ ﷺ نے جھانک کر اُنھیں پکارا: اے چَرواہے! کیا تیرے پاس دودھ ہے؟

بلال نے کہا: میرے پاس ایک بکری ہے جس کا دودھ میں پیتا ہوں۔اگر کہئے تو آج کا دودھ میں آپ لوگوں کو دے دوں۔

رسول اللہ ﷺ نے کہا: بکری لیتے آؤ۔

بلال بکری لے کر آئے۔رسول اللہ ﷺ نے بکری کی ٹانگیں باندھ دیں اور ایک بڑا پیالہ منگوا کر اُس میں دودھ دوہا تو پیالہ بھر گیا۔آپ نے سیراب ہو کر پیا، پھر دوہا تو حضرت ابوبکر نے سیراب ہو کر پیا۔پھر پیالہ بھر کر دوہا تو بلال نے سیراب ہو کر پیا۔پھر آپ نے چھوڑ دیا تو بکری کا تھن پہلے سے بھی زیادہ دودھ سے بھرا ہوا تھا۔

پھر آپ نے کہا: لڑکے! تجھے اسلام سے دلچسپی ہے؟

اتنا سننا تھا کہ بلال نے اسلام قبول کرلیا۔

آپ نے کہا: اپنا اسلام چھپائے رکھنا۔

بلال نے ویسا ہی کیا۔

وہ اپنی بکریاں لے کر واپس ہوئے۔اُس رات اُن کی بکری نے دوگنا دودھ دیا۔ عبداللہ بن جَدعان کے گھر والوں نے کہا: تم نے اُسے کسی اچھی چراگاہ میں چرایا ہے۔اُسی چراگاہ میں جایا کرو۔

بلال تین دنوں تک آپ کے پاس آتے رہے۔ دودھ پلاتے رہے اور اسلام سیکھتے رہے۔ چوتھے روز ابوجہل، عبداللہ بن جُدعان کے گھر والوں کے پاس سے گذرا تو اُس نے کہا: میں تم لوگوں کی بکریاں موٹی تازی دیکھ رہا ہوں جو زیادہ دودھ بھی دینے لگی ہیں۔

اُنھوں نے بتایا: ایسا تین دنوں سے ہو رہا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ اِس کی وجہ کیا ہے؟

ابوجہل نے کہا: رب کعبہ کی قسم! تمھارے غلام کو ابن ابی کَبْشَہ (محمد ﷺ) کا ٹھکانہ معلوم ہے، لھٰذا اُسے اُس چراگاہ میں جانے سے منع کرو۔

اُن سبھوں نے بلال کو اُس چراگاہ میں جانے سے روک دیا۔

رسول اللہ ﷺ مکہ آئے اور مَرْوَہ پہاڑی کے پاس کسی گھر میں روپوش ہو گئے۔ بلال اپنے اسلام پر ڈٹے رہے۔ ایک دن وہ کعبے میں آئے۔ قریش کے لوگ بھی اُن کے پیچھے آ رہے تھے، مگر بلال کو اُن کا علم نہ تھا۔ اُنھوں نے اِدھر اُدھر دیکھ کر سمجھا کہ یہاں کوئی نہیں۔ وہ بتوں کے پاس آئے اور اُن پر تھوکنے لگے اور کہنے لگے:

''جس نے تم لوگوں کی پوجا کی وہ گھاٹے میں رہا اور رُسوا ہوا''۔

قریش اُن کو پکڑنے دوڑے تو وہ بھاگ کر اپنے آقا عبداللہ بن جَدعان کے گھر میں چھپ گئے۔ قریش کے لوگوں نے عبداللہ بن جَدعان کو پکارا تو وہ باہر نکلا۔ اُنھوں نے پوچھا: کیا آپ نے اپنا دین بدل لیا ہے؟

اُس نے جواب دیا: میرے ایسے آدمی سے یہ بات پوچھی جا رہی ہے؟ مجھ پر اب لات وعُزّیٰ کو بھینٹ چڑھانے کے لئے سو اونٹوں کی قربانی واجب ہو گئی۔

لوگوں نے بتایا کہ آپ کے کلوٹے غلام نے ایسا ایسا کیا ہے۔ اُس نے بلال کو بلوایا تو لوگ اُنھیں ڈھونڈ کر لے آئے، لیکن وہ بلال کو پہچان نہ سکا۔ اُس نے اپنے نگراں کو بلا کر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ کیا میں نے تمھیں حکم نہ دیا تھا کہ یہاں جو بھی مُوَلّد (باپ عربی، ماں عجمی) غلام ہو، اُسے باہر بھیج دو؟

نگراں نے کہا: یہ آپ کی بکریاں چراتا ہے۔ اِس کے علاوہ کوئی چرواہا نہیں ہے۔

اُس نے ابوجَہل اور اُمَیَّہ بن خَلَف کو کہا: یہ غلام آپ دونوں کے حوالے ہے۔ آپ اِس کے ساتھ جو چاہیں سلوک کریں۔

دونوں بلال کو لے کر مکے کی کنکریلی زمین میں آئے۔ وہ بلال کو گرم ریت پر منہ کے بل لٹا کر دونوں مونڈھوں کے درمیان چکی رکھ دیتے اور کہتے: محمد (ﷺ) کو نبی ماننے سے انکار کرو!

وہ کہتے: نہیں! اللہ ایک ہے۔

اِس اذیت ناک سلوک کے دوران حضرت ابوبکر کا وہاں گذر ہوا۔ اُنھوں نے پوچھا: اِس کالے کے ساتھ تم دونوں کیا سلوک کر رہے ہو؟ اللہ کی قسم! اِس نے کوئی خون تو نہیں کیا جس کا بدلہ لے رہے ہو۔

اُمَیَّہ بن خَلَف نے اپنے ساتھیوں سے کہا: کیا میں ابوبکر سے ایسا کھیل نہ کھیلوں جو کسی نے نہ کھیلا ہو، پھر اُس نے قہقہہ مار کر کہا: اے ابوبکر! وہ تمہارے دین پر ہے، لٰھذا اُسے ہم سے خرید لو۔

حضرت ابوبکر نے کہا: ٹھیک ہے۔

اُس نے کہا: اُس کے بدلے مجھے اپنا ''فسطاس'' غلام دے دو۔ [☆]

حضرت ابوبکر نے کہا: اگر میں دے دوں تو تم اُسے میرے حوالے کرو گے؟

اُس نے کہا: میں کر دوں گا۔

پھر اُس نے قہقہہ مار کر کہا: نہیں اللہ کی قسم! اُس کے ساتھ اُس کی بیوی بھی میرے حوالے کرو گے تب۔

اُنھوں نے کہا: اگر میں دوں تو تم اُسے میرے حوالے کرو گے؟

پھر اُس نے قہقہہ مار کر کہا: نہیں اللہ کی قسم! تم بیوی کے ساتھ اُس کی بیٹی بھی میرے حوالے کرو گے تب۔

[☆] حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ غلام لوہار تھا جو آپ کو روزانہ آدھا دینار ادا کرتا تھا۔

اُنھوں نے کہا: اگر میں دوں تو تم اُسے میرے حوالے کروگے؟

اس نے کہا: ہاں! پھر اُس نے قہقہہ مار کر کہا: نہیں اللہ کی قسم! تم اُس پر دوسو دینار کا اضافہ کروگے تب۔

حضرت ابوبکر نے کہا: تمھیں جھوٹ بولتے شرم نہیں آتی۔

اُس نے کہا: نہیں، لات وعُزّٰی کی قسم! اگر تم مجھے دوسو دینار ادا کردو تو میں ضرور اُسے تمھارے حوالے کردوں۔

حضرت ابوبکر نے کہا: یہ لو! اور اُنھوں نے بلال کو خرید لیا۔[17]

یہ ہے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا اسلام۔ اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کا ایک معجزہ دیکھا اور مسلمان ہوگئے۔

غلامی کی زندگی بسر کرنے والے بلال، رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بہت کچھ سن چکے تھے۔ آج اُنھوں نے اپنی آنکھوں سے اُس انسان کا چہرہ دیکھا جس کی نیک نامی کا چرچا پورے شہر میں ہورہا تھا۔

وہ ایک مدت سے ابن جُدعان کے غلام تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ پر ایک نظر پڑتے ہی اُن کے دل کی دنیا بدل گئی۔

بکری کا حیرت انگیز طور پر بڑھتا ہوا دودھ جادو بھی ہوسکتا تھا، لیکن حضرت بلال نے اُس کو نبوت کی دلیل سمجھا، کیونکہ اُن کے سامنے صرف ایک کرشمہ نہ ہوا تھا، بلکہ رسول اللہ ﷺ کا پُرکشش سراپا اور آپ کی پھولوں جیسی بات اُنھیں متأثر کیے بغیر نہ رہ سکی۔

حضرت بلال نے رواداری میں اسلام قبول نہیں کرلیا تھا، بلکہ مضبوط ارادے اور پورے یقین کے ساتھ وہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے تھے۔ اِسی لئے جب اُنھیں گرم ریت پر منہ کے بل لٹایا گیا یا اُن کی پیٹھ پر چکی کا بوجھ ڈال دیا گیا یا اُنھیں مارا پیٹا گیا، وہ ٹَس سے مَس نہ ہوئے۔ اُن پر لاکھ دباؤ ڈالا گیا کہ ایمان سے پھر جاؤ، اسلام کو چھوڑ دو، مگر

---

[17] تاریخ مدینۃ دمشق: ۱۰/ ۴۳۶ ...... یہ روایت ضعیف ہے، کیونکہ اِس میں چند مجہول راوی ہیں۔

اُنھوں نے کسی کی ایک نہ سنی ۔ذہنی دباؤ اور جسمانی اذیت کی کشمکش میں بھی اُنھوں نے توحید کا نعرہ بلند کیا۔اُنھیں رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی توحید سے اتنی محبت ہوگئی تھی کہ ماضی میں جن بتوں کے آگے وہ سر جھکاتے تھے اب اُن پر تھوکتے پھر رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے ایک معجزے نے اور آپ کے دو چار میٹھے بول نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اندر انقلاب برپا کر کے رکھ دیا تھا۔بس اِس کے سوا اُن کے مسلمان ہونے کی کوئی اور وجہ نہ تھی۔

حضرت عَمرُو بن عَبَسَہ سُلَمی رضی اللہ عنہ

وہ اعلانِ نبوت کا ابتدائی زمانہ تھا۔اُس وقت رسول اللہ ﷺ مکے میں روپوش رہا کرتے تھے۔حضرت عمرو بن عبسہ ،رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے ہیں اور آپ سے دریافت کرتے ہیں: آپ کون ہیں؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ''نبی'' ہوں۔

اُنھوں نے پوچھا: یہ ''نبی'' کیا ہوتا ہے؟

آپ نے کہا: اللہ کا پیغامبر۔

اُنھوں نے پوچھا: کیا اللہ نے آپ کو پیغامبر بنا کر بھیجا ہے؟

آپ نے کہا: ہاں!

اُنھوں نے پوچھا: کیا پیغام دے کر بھیجا ہے؟

آپ نے فرمایا:

''ایک اللہ کی عبادت کرنا،کسی کو اُس کا شریک نہ بنانا، بتوں کو توڑنا، رشتہ نبھانا''۔

اُنھوں نے کہا: کیا ہی اچھا پیغام دے کر اللہ نے آپ کو بھیجا ہے۔کسی نے آپ کی پیروی کی ہے؟

آپ نے فرمایا: آزاد اور غلام سب نے۔

اتنی بات چیت کے بعد وہ اسلام لے آئے۔

پھر اُنھوں نے کہا: یارسول اللہ! میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔

آپ نے فرمایا: ابھی نہیں! اپنی قوم میں جا کر رہو۔جب تمھیں میری ہجرت کی خبر ملے تب میرے ساتھ چلنا۔[18]

---

[18] صحیح مسلم: ۵۶۹/۱ (حدیث: ۲۹۴)، سیرۃ ابن کثیر: ۴۴۲/۱، دلائل النبوۃ: ۱۶۸/۲

اسلام کی یہ سیدھی سادی تعلیمات تھیں جو حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کو پسند آ گئیں بس اُنھوں نے فوراً ہی اسلام قبول کرلیا۔ بت پرستی کے جس مذہب کو وہ ایک زمانے سے مانتے چلے آرہے تھے، وہ اُن کے دل میں ضرور کھٹک رہا تھا۔ وہ دل سے اُس مذہب کو پسند نہیں کرتے تھے، مگر معاشرے کے بندھن سے آزاد ہونا مشکل تھا۔ پھر اُس بت پرستی کے مقابلے میں کوئی ایسا مذہب بھی اُن کے اردگرد نہ تھا جس کو سوچنے اور سمجھنے کا موقع ملتا۔ اسلام اُن کے سامنے آیا تو اُس کی تعلیمات اُنھیں اِس طرح بھا گئیں کہ ایک جھٹکے سے بت پرستی کی پرانی عمارت اُن کے قدموں میں ڈھیر ہوگئی۔

مسلمان ہوتے ہی رسول ﷺ سے اُنھیں اتنا لگاؤ پیدا ہوگیا کہ وہ اپنی قوم میں واپس جانے کو راضی نہ تھے۔ وہ آپ کی صحبت میں رہنے اور آپ کی بات چیت کا لطف اٹھانے کے خواہشمند بن گئے۔

منٹوں میں اِس خوشگوار تبدیلی کا سبب صرف اور صرف اسلام کی دلنشیں تعلیمات تھیں جنھیں رسول اللہ ﷺ نے دلکش پیرائے میں بیان کرڈالا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نوجوانی کا زمانہ تھا۔ وہ مکے میں عقبہ بن اَبومُعَیط کی بکریاں چراتے تھے۔ایک دن اُن کے پاس رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پہنچے جومشرکین سے بچ کر آئے تھے۔

آپ نے پوچھا: لڑکے! تیرے پاس ہمارے پینے کا دودھ ہے؟

اُنھوں نے کہا: میں امانت دار ہوں۔ میں اپنی طرف سے آپ دونوں کو دودھ نہیں پلا سکتا۔

آپ نے پوچھا: تیرے پاس کوئی ایسا چھوٹا بچہ ہے جو ابھی تک گابھن نہ ہوا ہو؟

اُنھوں نے کہا: ہاں ہے!

وہ جا کر ایک چھوٹا بچہ لے آتے ہیں۔ حضرت ابوبکر نے اُس کے پاؤں باندھے۔ رسول اللہ ﷺ نے تھن پکڑ کر دعا فرمائی تو تھن میں دودھ اتر آیا۔ حضرت ابوبکر ایک گہرا پیالہ نما پتھر کا ٹکڑا لیتے آئے جس میں آپ نے دودھ دوہا۔ آپ نے اور حضرت ابوبکر نے دودھ پیا اور اُنھیں بھی پلایا۔ پھر آپ نے تھن کو کہا کہ خشک ہو جا! تو تھن خشک ہو گیا۔

پھر بعد میں عبداللہ بن مسعود، رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور بولے کہ: اُس پاکیزہ کلام یعنی قرآن کی مجھے تعلیم دیجے۔

تب آپ نے فرمایا: ''بے شک تو تعلیم یافتہ لڑکا ہے''۔

اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان سے ستّر سورتیں سیکھیں جس میں کوئی ان کا شریک نہیں۔[19]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کا معجزہ دیکھ کر دنگ رہ گئے تھے۔ شاید وہ اُس معجزے کے بارے میں برابر سوچتے رہے جو اندر اندر اپنا کام کرتا رہا۔ وہ

---

[19] دلائل النبوۃ: ۲/۱۷۲-۱۷۳

معجزے کی رُو سے رسول اللہ ﷺ کی حیثیت متعین کرنے میں لگے تھے۔ آخر کار اُنھوں نے طے کیا کہ ذرا چل کر اُن کا کلام بھی سنا جائے جس کا جادو سر چڑھا ہوا ہے۔ قرآن جیسا پاکیزہ کلام سننے کے بعد، اُنھیں آپ کے نبی ہونے میں کوئی شک نہ رہا اور وہ مسلمان ہو گئے۔

حضرت خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ

حضرت خالد بن سعید نے ایک بار خواب دیکھا کہ وہ جہنم کے کنارے کھڑے ہوئے ہیں۔ اُن کا باپ اُنھیں اُس میں دھکے دے رہا ہے اور رسول اللہ ﷺ اُن کی کمر پکڑے ہوئے ہیں تا کہ وہ اُس میں نہ گریں۔ وہ گھبرا کر جاگ اٹھے اور بولے کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بے شک یہ خواب حق ہے۔

پھر اُنھوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کر کے اپنا خواب بیان کیا تو حضرت ابو بکر نے کہا کہ:

''تمھارا بھلا چاہا جا رہا ہے۔ یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔
اُن کا ساتھ پکڑو۔ جلد ہی تم اُن کا ساتھ پکڑو۔ جلد ہی تم اُن کا ساتھ
پکڑو گے اور اُن کے ساتھ اسلام میں داخل ہو گے۔ اسلام تمھیں جہنم
میں پڑنے سے بچائے گا اور تمھارا باپ اُس میں گر پڑے گا''۔

تب اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے ''اَجیاد'' کے مقام پر ملاقات کر کے دریافت کیا: اے محمد (ﷺ)! آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟

آپ نے فرمایا: میری دعوت یہ ہے کہ:

''اللہ ایک ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں اور میں اُس کا بندہ
اور رسول ہوں۔ تم جن بتوں کی پوجا کر رہے ہو، اُنھیں چھوڑ دو۔ جو نہ
سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں، نہ نقصان پہنچاتے ہیں اور نہ فائدہ۔ جنھیں نہیں
پتہ کہ کس نے اُن کی پوجا کی اور کس نے پوجا نہیں کی''۔

خالد نے کہا: بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کو اُن کے اسلام لانے سے بڑی خوشی ہوئی۔ حضرت خالد وہاں

سے روانہ ہوگئے۔ جب اُن کے باپ کواُن کے مسلمان ہونے کا پتہ چلا تو اُنھیں ڈھونڈ وایا۔ جب اُنھیں پکڑ کر لایا گیا؛ اُس نے اُنھیں ڈانٹا پھٹکارا اور کوڑا مارتے مارتے کوڑے کو سر پر توڑ ہی ڈالا اور بولا کہ میں تجھے کھانا تک نہ دوں گا۔

حضرت خالد نے جواب دیا: اگر آپ مجھے نہ دیں گے تو بے شک اللہ مجھے رزق دے گا جس سے میرا گذر بسر ہوگا۔

پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس چلے گئے اور آپ کے ساتھ رہنے لگے۔[20]

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کا مسلمان ہونا ایک انوکھی بات بن گئی۔ خواب میں اُنھوں نے جو منظر دیکھا، نجانے کس حد تک وہ ڈراؤنا تھا اور کس قدر اُن کے دل ودماغ پر چھاتا جارہا تھا؟! بہر حال جب نیند ٹوٹی تو وہ خواب اُن کے لئے محض خواب نہ تھا، بلکہ سو فیصد وہ کسی بھیانک حقیقت کی منہ بولتی تصویر تھی۔ اُس خواب کا برابر اُن پر نفسیاتی دباؤ بنا رہا۔ وہ سوچ سوچ کر حیران ہوئے جاتے تھے کہ میرا باپ کیوں مجھے آگ کے دریا میں دھکیل رہا تھا؟ اور وہ شخص جو پورے قبیلے کا دشمن بنتا جارہا تھا، کس لئے مجھے اُس آگ سے بچانے پر تلا ہوا تھا۔ خالد بن سعید کے ''لاشعور'' میں رسول اللہ ﷺ کی ہمدردی اپنا راستہ بنانے لگی۔ آخر کار وہ اِس نقطے پر غور کرنے لگ گئے کہ کہیں اپنی بت پرستی جہنم میں تو نہیں لے جارہی؟ جو میرے باپ کی دین ہے اور محمد ﷺ کی تعلیمات کا یہی کرشمہ ہے تو ذرا چل کر دیکھنا چاہئے کہ اُن تعلیمات میں خوبی ہی کیا ہے؟ یہ بات دماغ میں آتے ہی وہ رسول اللہ ﷺ سے ملنے چل پڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن کے سامنے بالکل سیدھی سادی عقل میں آنے والی بات پیش کی۔

انسان اپنے اندر کسی طاقتور ہستی کے آگے سر جھکانے، اُسے پوجنے اور اُس کی عبادت کرنے کا ایک فطری جذبہ رکھتا ہے، مگر جب وہ کوئی طاقتور ہستی ہو تب تو؟ یہ پتھروں کے بے جان بت جنھیں انسان نے خود اپنے ہاتھوں سے تراشا ہے، اُن کی

---

[20] دلائل النبوۃ: ۲/۱۷۲-۱۷۳

عبادت سے ہمارے فطری جذبے کو کہاں تک تسکین مل سکتی ہے؟ نہ وہ تنکے کا سہارا بن سکتے ہیں اور نہ مکھی کی بھنبھناہٹ سے بچ سکتے اور نہ بچا سکتے ہیں۔کوئی اُن کے چرنوں میں سر رکھے یا کوئی اُن کے سر پر پیشاب کرے، وہ مورت بنے بیٹھے ہیں۔ نہ خوش ہو کر کسی کا کچھ بنا سکتے ہیں اور نہ ناراض ہو کر کسی کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں۔

اسلام کی بس یہی سیدھی سادی اور صاف ستھری بات تھی جو حضرت خالد بن سعید کو اپیل کر رہی تھی کہ ایسی بت پرستی پر لعنت ہو! جب اللہ ہی سب کچھ ہے تو کسی دوسرے تیسرے کے آگے کیوں سر جھکایا جائے اور کس لئے ہاتھ پھیلایا جائے؟ رسول اللہ ﷺ کی یہ دعوت بجلی کے جھٹکے کی طرح اُن کے ذہن کو لگی اور وہ اسلام لے آئے۔اسلام لا کر مطمئن تھے۔کسی پس و پیش میں نہ تھے۔ ذرا سی دیر میں اُنھیں اسلام سے ایسی محبت ہو گئی کہ باپ کی ڈانٹ پھٹکار کا اُن پر کوئی اثر نہ پڑا۔ باپ نے بے تحاشہ پیٹا، مگر وہ اسلام سے نہ پھرے حالانکہ یہ مصیبت اُن پر اسلام ہی کی وجہ سے آئی تھی، لیکن اُنھوں نے اسلام کے نام پر اُف تک نہ کی۔

رسول اللہ ﷺ نے اُن کے دل میں توحید کا عقیدہ ایسا راسخ کر دیا تھا کہ وہ اللہ کے سوا کسی کا بھروسہ ماننے کو تیار ہی نہ تھے۔ یہاں تک کہ باپ نے جب اُن کو دھمکی دی کہ اُن کو اب اِس گھر سے کھانے کا ایک دانہ نہ ملے گا تو اُنھوں نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا: میری روزی روٹی کا مالک اللہ ہے۔آپ بند کرنا چاہیں تو بند کر دیں۔ چنانچہ اُنھوں نے کھانا ہی نہیں، باپ کا گھر بھی چھوڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ کے سائے میں آ کر رہنے لگے۔

مسلمان کتنا غیرت مند ہوتا ہے۔ وہ غیرت اسلامی کو للکارنے والے باپ سے رشتہ توڑ لینے میں بھی کوئی جھجھک محسوس نہیں کرتا۔

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے بھی تو اتنے غیرت مند!

یہ رسول اللہ ﷺ کی پر کشش دعوت کا نتیجہ تھا جس کے آگے رشتوں کی اہمیت بھی ماند پڑ گئی تھی۔

حضرت عمّار بن یاسِر اور حضرت صُہَیب رومی رضی اللہ عنہما

جن دنوں رسول اللہ ﷺ دارُالارقم میں بیٹھا کرتے تھے ۔حضرت عمّار بن یاسِر مسلمان ہونے سے پہلے آپ کے پاس آتے ہیں۔جب وہ دارالارقم کے دروازے پر پہنچے تو اتفاق سے حضرت صُہَیب رومی سے اُن کی ملاقات ہوگئی۔حضرت عمّار بن یاسِر نے اُن سے پوچھا: آپ کا آنا کس لئے ہوا ہے؟

وہ بولے: آپ کس ارادے سے آئے ہوئے ہیں؟

اُنھوں نے کہا: میرا ارادہ یہ ہے کہ محمد (ﷺ) کے پاس جا کر اُن کی گفتگو سنوں۔

صُہَیب رومی نے کہا: میں بھی اِسی ارادے سے آیا ہوں۔

پھر یہ دونوں آپ کے پاس پہنچتے ہیں (اور آپ کی باتیں سنتے ہیں۔) رسول اللہ ﷺ نے اُن دونوں کو اسلام پیش کیا تو دونوں مسلمان ہو گئے ۔ دونوں شام تک وہیں ٹھہرے رہے، پھر چھپتے چھپاتے باہر نکلے۔[21]

یہ دونوں کتنے سنجیدہ ماحول میں مسلمان ہوئے ہیں۔نہ کوئی پوچھ تاچھ نہ بحث و مباحثہ۔تھوڑی دیر بیٹھتے ہیں۔کچھ باتیں سنتے ہیں، پھر اُنھیں اسلام کی دعوت دی جاتی ہے اور یہ بغیر کسی رَدّ و انکار کے اُسے قبول کر لیتے ہیں۔

یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کا چرچا سن کر ذہنی طور پر پہلے ہی سے متأثر تھے۔جبھی تو آپ کو قریب سے دیکھنے اور سننے کی خواہش پیدا ہوئی تھی۔اُن کے ذہن میں رسول اللہ ﷺ کا جو خاکہ تھا، ٹھیک اُسی طرح اُنھوں نے آپ کو پایا۔آپ کے کلام کی جس حیرت انگیز تاثیر کا ذکر سنتے آئے تھے؛ آج وہی کلام اُن کے کانوں میں رَس گھول رہا تھا۔اُنھوں نے اُس کلام کی عظمت اور آپ کی ذات کی سچائی کو بھی اچھی طرح محسوس کر لیا تھا۔اِسی لئے جیسے ہی اُن دونوں حضرات کو اسلام کی پیش کش کی گئی؛ وہ کسی طرح اُس سے انکار نہ کر سکے، جبکہ

---

[21] الطبقات الکبریٰ:۳/۱۷۱-۱۸۷

یہ وہ ماحول تھا کہ مسلمان ڈرے سہمے ہوئے تھے۔ چھپ چھپ کر نمازیں پڑھتے اور بچ بچا کر اسلام کی تبلیغ کرتے۔ پتہ چل جانے پر مکہ کے کافر مسلمانوں کی جان کے دشمن بن جاتے۔ اِس کے باوجود اُن دونوں نے اُس بھیانک ماحول کی پروا کئے بغیر جرأت کر ڈالی۔ شاید اُنھیں اپنی عزت اور جان سے زیادہ وہ سچائی عزیز تھی جو اُنھیں اسلام کی صورت میں مل گئی تھی۔ سچائی کی تلاش کرنے والے سنجیدہ لوگ؛ دولت، منصب اور طاقت کے دباؤ میں نہیں آتے۔ وہ سچی اور عقل میں آنے والی باتوں پر جان دے ڈالتے ہیں۔

حضرت عمار بن یاسر اور حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہما ایسے ہی لوگوں میں سے تھے جو اسلام قبول کرنے میں تاخیر نہیں کرتے۔

یہ دونوں حضرات جس وقت اسلام میں داخل ہوئے تھے، اُس وقت چالیس سے زیادہ لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ اُن سارے مسلمانوں کے اسلام لانے کی کہانی ایک دوسرے سے ملتی جلتی تھی۔

اسلام کی پہلی کھلم کھلا دعوت

ابھی تک رسول اللہ ﷺ چھپ چھپ کر اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے اور لوگ بھی چپکے چپکے مسلمان ہوتے جا رہے تھے۔ جو مسلمان جہاں ہوتا وہیں چھپ چھپ کر نماز پڑھ لیتا۔ رسول اللہ ﷺ زیادہ تر نماز پڑھنے کے لئے مسلمانوں کی ایک ٹولی لے کر مکے کی گھاٹیوں کی طرف نکل جاتے اور وہیں سب نماز ادا کرتے۔

پہلے تبلیغ کی کوئی جگہ متعین نہیں تھی۔ جب حضرت ارقم مسلمان ہوئے تو اُن کا گھر دعوت و تبلیغ کا مرکز قرار پایا جو صفا پہاڑی کے قریب ''دارُالارقم'' کے نام سے معروف تھا۔ یہاں بھی تبلیغ کرنے میں احتیاط سے کام لیا جاتا تھا۔

عام طور سے مسلمان کسی پر اپنا مسلمان ہونا ظاہر نہیں کرتے تھے، کیونکہ پتہ چل جانے پر کافر لوگ اُنھیں ستاتے تھے، اذیت پہنچاتے تھے اور مارتے پیٹتے تھے۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ کھلم کھلا تبلیغ نہیں کر رہے تھے، اِس لئے قریش کے کافر بھی کھل کر اسلام کے مخالف نہ ہوئے تھے۔ اُنھیں رسول اللہ ﷺ سے تو ہر آن خطرہ لگا ہوا تھا، لیکن وہ آپ کے خلاف کوئی بڑی کاروائی نہیں کر پا رہے تھے۔ اُدھر اسلام اندر اندر پھل پھول رہا تھا، اِدھر اسلام دشمنی کا لاوا پک رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے۔

آپ نے پہلا مرحلہ طے کر لیا تھا کہ تین سال کے اندر اچھے خاصے لوگ مسلمان ہو کر آپ کے ساتھ ہو گئے تھے۔ اب دوسرے مرحلے کی تیاری تھی۔ اسلام مکے میں تیزی سے پھیل رہا تھا جا بجا اُس کے چرچے ہونے لگے تھے۔ قریش کو اِس بڑھتی ہوئی تعداد سے تشویش پیدا ہو گئی تھی۔ وہ فیصلہ نہیں لے پا رہا تھے کہ اِس سیلاب پر کیسے باندھ لگایا جائے؟!

آخر کار کش مکش کے اِسی دور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی اترتی ہے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ اسلام کی کھل کر تبلیغ کی جائے، چنانچہ سورۂ شعراء کی آیتیں نازل ہوتی ہیں۔

آپ کوحکم ہوتا ہے:

﴿وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ • وَاخۡفِضۡ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ •﴾[الشعراء:۲۱۴-۲۱۵]

(اپنے خاندان کے قریبی لوگوں کو ڈراؤ اور جو مومن تمھاری پیروی کرے اُس کے لئے اپنا بازو بچھادو۔)

اِس طرح آپ کو اسلام کی کھل کر دعوت دینے کا حکم آ گیا تھا۔حکم کے مطابق آپ علی الاعلان اسلام کی دعوت دینے چل پڑے،صفا پہاڑی پر چڑھ کر آپ نے زور زور سے اپنے خاندانِ قریش کے لوگوں کو پکارنا شروع کر دیا۔لوگوں نے پتہ کیا کہ کون پکار رہا ہے؟ معلوم ہوا کہ محمد (ﷺ) ہیں۔آپ کا نام سن کر خاص و عام اکٹھا ہو گئے۔تب آپ نے کہنا شروع کیا:

اگر میں آپ لوگوں سے کہوں کہ اِس پہاڑ کے دامن میں گھڑسواروں کا ایک لشکر ہے جو کسی وقت بھی حملہ آور ہوسکتا ہے تو آپ میرے بارے میں کیا کہیں گے؟ کیا آپ میری بات کو سچ مانیں گے؟

لوگوں نے جواب دیا: ہمارے تجربے میں آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے۔

تب آپ نے کہا:

میں آپ لوگوں کو آنے والے سخت عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔میں تمھارے درمیان اِس وقت اُس آدمی کی طرح ہوں جو دشمن کو آتا دیکھ کر اپنے بال بچوں کی حفاظت کے لئے چل پڑے،لیکن اِس ڈر سے کہ کہیں دشمن اُس کے پہنچنے سے پہلے نہ آ دھمکے،وہ چیخنے لگے: بچاؤ! بچاؤ!

اے بنو کعب بن لوی! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔

اے بنومُرّہ بن کعب! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔

اے بنوعبد شمس! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔

اے بنوعبد مناف! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔

اے بنو ہاشم! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔

اے بنوعبد المطلب! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔

اے فاطمہ! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔

کیونکہ میں اللہ کی پکڑ سے تمھیں نہیں بچا سکتا، البتہ رشتہ داری نبھا سکتا ہوں۔

اے قریش کے لوگو! اپنی جانوں کو اللہ سے خرید لو۔ میں تمھیں اللہ سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کر سکتا۔

اے بنوعبد مناف! میں تمھیں اللہ سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کر سکتا۔

اے عباس بن عبد المطلب! میں تمھیں اللہ سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کر سکتا۔

اے صفیہ! میں تمھیں اللہ سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کر سکتا۔

اے فاطمہ! میں تمھیں اللہ سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کر سکتا۔

یہ تقریر سن کر ابولہب نے کہا تھا: کیا تم نے اِسی لئے ہم لوگوں کو جمع کیا تھا؟ تمھارے لئے ہلاکت ہو![22]

رسول اللہ ﷺ کی اِس واضح تقریر سے سب نے سمجھ لیا کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور ہمیں اپنی پیروی کی دعوت دی ہے۔

---

[22] دلائل النبوۃ: ۲/۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۸۱-۱۸۲، اسباب نزول القرآن: ۴۹۸-۴۹۹، لباب النقول: ۲۳۷، بخاری: ۳/۳۳۳۳، تفسیر الطبری: ۱۵/۳۳۷......اتصالِ روایت کے ساتھ

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ

ابو جہل جو رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں حد سے بڑھا ہوا تھا۔ ایک دن صفا پہاڑی کے قریب اُس کی ملاقات رسول اللہ ﷺ سے ہوئی تو اُس نے آپ کو چھیڑنا اور گالی دینا شروع کر دیا۔ اُسے معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ اُس کے دین کو عیب لگاتے ہیں اور اُس کے معاملے کو بے وقعت سمجھتے ہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ کچھ نہ بولے۔ عبداللہ بن جُدعان کی ایک کنیز اپنے گھر سے ابو جہل کی باتیں سن رہی تھی۔ پھر وہ لوٹ کر کعبے کے پاس آیا جہاں قریش کی مجلس لگتی تھی۔ وہ آ کر مجلس میں بیٹھ گیا۔

حضرت حمزہ قریش کے ایک سخت مزاج، مضبوط شکاری جوان تھے۔ جانوروں کو تیر سے شکار کیا کرتے تھے۔ جب وہ شکار سے لوٹتے تو گھر آنے سے پہلے کعبے کا طواف کرتے۔ اگر وہاں قریش کی مجلس جمی ہوتی تو وہ بھی سلام کر کے بیٹھ جاتے اور اُن سے بات چیت کرتے۔

(وہ اُس دن اپنے شکار سے واپس ہو رہے تھے کہ) راستے میں اُسی کنیز سے سامنا ہو گیا۔ اُس نے اُنھیں بتانا شروع کیا کہ:

اے ابو عُمارہ! کاش آپ کو پتہ ہوتا کہ ابوالحکم بن ہشام (ابو جہل) نے آپ کے بھتیجے محمد (ﷺ) کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ وہ یہاں بیٹھے ہوئے تھے کہ اُس نے اُنھیں ستانا اور گالی دینا شروع کر دیا۔ اُسے اُن کی طرف سے کچھ ناگوار خبر مل گئی تھی، پھر وہ لوٹ کر چلا گیا اور محمد (ﷺ) نے اُسے کچھ نہ کہا۔

اتنا سننا تھا کہ حضرت حمزہ کا غصہ بھڑک اٹھا۔ وہ ابو جہل کو ڈھونڈنے نکلے اور اُس کے سر پر جا پہنچے۔ اُنھوں نے اپنی کمان اٹھا کر اُس کے سر پر دے ماری اور سر کو بری طرح زخمی کر ڈالا، پھر کہا: کیا تم اُس شخص کو گالی بکتے ہو جس کے دین پر میں ہوں؟ وہ جو کہتا ہے وہی میں بھی کہتا ہوں اگر تم میں ہمت ہے تو مجھے بھی اُسی طرح گالی دو!

قبیلۂ مخزوم کے کچھ لوگ ابوجہل کی مدد میں حضرت حمزہ کی طرف لپکے، مگر ابوجہل نے اُنھیں کہا کہ: ابوعمارہ (حمزہ) کو چھوڑ دو۔ اللہ کی قسم! میں نے اُس کے بھتیجے کو بری بری گالی دی ہے۔

پھر حضرت حمزہ نے اسلام قبول کرلیا اور جو بات اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے کہی تھی اُسے پورا کر دکھایا۔[23]

یہ صحیح ہے کہ حضرت حمزہ بھتیجے کی محبت میں جذباتی ہوکر مسلمان ہو گئے تھے، پھر بھی یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ سوال اٹھتا ہے کہ جب سارے لوگ رسول اللہ ﷺ کے دشمن ہو گئے تھے تو اُنھیں آپ سے اتنی محبت کیوں تھی؟ اگر یہ چچا بھتیجے کے رشتے کی محبت تھی تو اُنھوں نے تو ابوجہل سے بدلہ لے کر محبت کے تقاضے کو پورا کر دیا تھا۔ وہ بھتیجے کے دین پر ایمان کیوں لے آئے؟

اگر یہ بات کہی جائے تو شاید درست ہو کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے۔ اُن پر اُس دین کی خوبیاں پورے طور پر ظاہر ہو چکی تھیں۔ وہ اپنے بھتیجے کے کردار اور مزاج سے بھی خوب واقف تھے۔ اِن سب باتوں نے رشتے کی فطری محبت میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ اُنھوں نے بھتیجے کو سوچ کر ابوجہل کو نہیں مارا، بلکہ اِس لئے مارا کہ ابوجہل نے اُس شخص سے گالی گلوچ کی ہے جس کی عظمت اُن کے ذہن ودل پر چھائی ہوئی تھی۔ ذہنی طور پر وہ اپنے بھتیجے کے نبی ہونے کی حیثیت مان چکے تھے۔ اُن کا دل بھتیجے کے لائے ہوئے دین سے متأثر ہو چکا تھا۔ جیسا کہ اُنھوں نے ابوجہل کو مارتے ہوئے اپنے اندرونی جذبات کو اگل کر رکھ دیا تھا۔ اُنھوں نے یہ تو جتایا تھا کہ اگر محمد ﷺ اپنے لائے ہوئے دین کی وجہ سے گالی گلوچ سننے اور کوسے جانے کے مستحق ہیں تو مجھے بھی گالی بکو اور مجھے بھی کوسو! کیونکہ میں بھی اُن کے دین پر ہوں۔ محض مخالفت میں کوئی اپنا دین تو نہیں بدل دیتا؟

---

[23] سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۳۲۸-۳۲۹، دلائل النبوۃ: ۲/ ۲۱۳

عیسائی بادشاہ نجاشی کا قبولِ اسلام

چونکہ مکے میں دھیرے دھیرے مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جارہی تھی ۔اِس لئے کافراُن نئے نئے مسلمانوں پر سختی بھی زیادہ کررہے تھے۔وہ اُنھیں ہرطرح سے ستاتے اور بڑی سے بڑی اذیت پہنچاتے ۔مسلمان بے چارے صبر پر صبر کرتے جارہے تھے۔ بالآخر کافروں کے ظلم سے تنگ آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کواشارہ دیا کہ وہ ظلم سے نجات پانے کے لئے ملک حبشہ کی طرف ہجرت کرجائیں ،کیونکہ وہاں کا بادشاہ کسی پر ظلم نہیں ڈھاتا۔اُس سرزمین میں سچائی کا چلن ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کے لئے کوئی راستہ نکال دے۔

لھٰذا فتنوں کے ڈر سے مسلمان خدا کے لئے اپنا دین لے کر حبشہ کی سرزمین کی طرف چل پڑے۔اُن ہجرت کرنے والوں میں قریش کے تقریباً سبھی معروف قبیلوں کے ۳۸/افراد شامل تھے جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے۔

مسلمان حبشہ کی سرزمین پر آزادی اور سکون کے ساتھ زندگی بسر کررہے تھے۔ اپنے دین سے مطمئن ہوکر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ۔نہ کوئی ستانے والا نہ برا بھلا کہنے والا۔

قریش کو جب اِس صورت حال کا پتہ چلا تو اُنھوں نے ایک میٹنگ کر کے عبداللہ بن ابوربیعہ اور عمرو بن عاص نام کے دو آدمیوں کو نجاشی بادشاہ کے پاس روانہ کیا جو مضبوط کاٹھی کے تھے۔ یہ دونوں اپنے ساتھ ڈھیر سارے چمڑوں کا تحفہ بھی لے گئے جو مکے کی پسندیدہ چیز تھی ۔نجاشی کے دربار میں حاضر ہونے سے پہلے دونوں نے وہاں کے جرنیلوں سے ملاقات کی اور ہرایک جرنیل کوتحفہ پیش کیا اور اُن سے اپنی بات کہی کہ:

”ہمارے قبیلے کے کچھ بیوقوف بھاگ کر یہاں آئے ہوئے ہیں۔وہ اپنی قوم سے الگ تھلگ ہوگئے ہیں اور آپ کے دین

میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں۔ اُنھوں نے ایک نیا دین شروع
کیا ہے جسے نہ ہم جانتے ہیں اور نہ آپ ۔اُن کی قوم کے معزز
سرداروں نے ہمیں بادشاہ کے پاس بھیجا ہے تا کہ ہم اُنھیں یہاں
سے واپس لے جائیں''۔

پھر دونوں بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور اُس سے بھی وہی بات کہی جو پہلے جرنیلوں سے کہہ آئے تھے۔اُن دونوں نے مسلمانوں کوحوالے کرنے کی مانگ کی اور کہا کہ اُن کے سرداراُن کے زیادہ ذمہ دار ہے ۔اُنھوں نے اپنے سرداروں پر جوعیب لگایااور سرداروں نے اُنھیں جوسزائیں دیں،اُن سب باتوں کی صحیح معلومات اُنہی سرداروں کو ہے۔

دربار میں موجود جرنیلوں نے اُن دونوں کی تائیداورسفارش کی کہ مسلمانوں کواُن کے حوالے کردیا جائے تا کہ وہ اُنھیں اپنے ملک اوراپنی قوم کی طرف واپس لے جائیں۔

یہ سن کرنجاشی بادشاہ غضبناک ہوگیا۔اُس نے کہا:

اللہ کی قسم !اِس طرح نہیں !جن لوگوں نے میرے ملک میں
آ کر میرے سائے میں پناہ لی ہے اور دوسرے بادشاہوں کو چھوڑ کر
مجھے پسند کیا ہے، میں اُن لوگوں کو اُس وقت تک اِن دونوں کے
حوالے نہ کروں گا جب تک کہ میں اِن سے پوچھ گچھ نہ کرلوں ۔
اگر اِن دونوں کی بات درست نکلی تو میں اُن کوحوالے کردوں گا ورنہ
نہیں ۔جب تک وہ میری رعیت میں رہیں گے میں اُن کے ساتھ
نیک سلوک کروں گا۔

چنانچہ مسلمانوں کو دربار میں حاضر کیا گیا۔نجاشی بادشاہ نے اپنے پادریوں کو بھی بلا رکھا تھا جنھوں نے اپنے اپنے صحیفے بادشاہ کے سامنے کھول رکھے تھے ۔بادشاہ نے مسلمانوں سے پوچھا: یہ کون سا دین ہے جس میں تم لوگ اپنی قوم سے الگ تھلگ ہو۔نہ میرے دین میں داخل ہوئے اور نہ کسی دوسرے دین میں؟

تب مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے کہنا شروع کیا:

''اے بادشاہ! ہم جاہلیت والی قوم تھے۔ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ مردار کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے ۔رشتے توڑتے تھے۔ پڑوسیوں کا خیال نہ رکھتے تھے۔ہم میں کا طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا۔ اِس صورتِ حال میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہی درمیان سے ایک رسول کو ہمارے پاس بھیجا جس کا نسب ہمیں معلوم ہے ۔جس کی سچائی ، امانت داری اور پارسائی ہم پہچانتے ہیں ۔اُس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں۔ہم اور ہمارے باپ دادا جن پتھروں اور بتوں کو پوجتے تھے اُنھیں چھوڑ دیں۔ اُس نے ہمیں سچ بولنے ،امانت ادا کرنے ،رشتہ نبھانے ، پڑوسیوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے ،ناجائز کاموں سے باز آنے اور خونریزی سے بچنے کا حکم دیا......اور بدکاریوں سے، جھوٹی باتوں سے، یتیم کا مال کھانے سے اور پاکدامن عورتوں پر الزام لگانے سے ہمیں منع کیا تو ہم نے اُس کو سچا جانا اور اس پر ایمان لے آئے ۔اُس نے جو کچھ اللہ کا حکم ہمارے سامنے پیش کیا، ہم نے اُس کی پیروی کی ۔ہم نے ایک اللہ کی عبادت کی اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا۔اُس نے ہمارے اوپر جو کچھ حرام کیا، ہم نے اُسے حرام جانا اور جو حلال کیا، اُسے حلال سمجھا۔بس اِس وجہ سے ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی ۔اُنھوں نے ہمیں سزائیں دیں

اور ہمیں ہمارے دین سے پھیرنا چاہا تا کہ اللہ کی عبادت سے
پھیر کر ہمیں بتوں کی پوجا میں لگا دیں اور جن گندی برائیوں
کو ہم حلال سمجھتے تھے، پھر سے اُنھیں حلال سمجھنے لگیں۔ چنانچہ
جب اُن لوگوں نے بہت زیادہ ظلم ڈھایا اور ہمیں تنگی میں
ڈال دیا اور ہمارے اور ہمارے دین کے معاملے میں حائل
ہوگئے تو ہم سب آپ کے ملک میں آگئے ۔دوسرے
بادشاہوں کو چھوڑ کر ہم نے آپ کو پسند کیا اور آپ کی
رعایا بننے میں دلچسپی دکھلائی ۔اِس امید پر کہ اے بادشاہ !
آپ کی رعیت میں ہم پر ظلم نہ ہوگا''۔

نجاشی نے پوچھا: اللہ کی طرف سے آئی ہوئی کوئی وحی تمھارے پاس موجود ہے؟

حضرت جعفرؓ نے کہا: ہاں!

اور پھر نجاشی کے کہنے سے اُنھوں نے ''کٓھٰیٰعٓصٓ'' سے ''سورۂ مریم'' کی ابتدائی آیتوں کو پڑھ کر سنا دیا۔

نجاشی اُن آیتوں کو سن کر رو پڑا۔ اتنا رویا کہ اُس کی داڑھی بھیگ گئی۔ اُس کے رونے سے پادری بھی رو پڑے یہاں تک کہ اُن کے صحیفے گیلے ہوگئے۔

پھر نجاشی نے کہا: بے شک یہ وحی اور عیسیٰؑ پر اترنے والی وحی دونوں ایک ہی طاق سے نکلی ہے ۔تم دونوں واپس جاؤ !اللہ کی قسم !میں اُن لوگوں کو تمھارے حوالے نہیں کرتا۔[24]

کافروں نے مسلمانوں کے خلاف ہوا باندھنے کی کوششیں کیں اور اُنھیں ہر طرح سے بدنام کرنا چاہا، لیکن اُن کا کوئی ہتھیار کارگر ثابت نہ ہوا۔ اسلامی تعلیمات سے نجاشی بادشاہ کا دل متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ حضرت جعفرؓ نے محمد رسول اللہ ﷺ کا جو احوال بادشاہ کو

---

[۲۴] سیرۃ ابن ہشام: ۱/۳۵۸-۳۵۹-۳۶۸-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴

پیش کیا، اُنھیں سننے کے بعد اُسے اعتراف ہوگیا کہ وہ حضرت عیسیٰ ہی کی طرح کوئی نبی ہیں۔ کافروں کی چال خود اُن کے خلاف الٹ گئی۔ جو مسلمانوں کو ملک حبشہ سے نکال باہر کرنے کی کوششوں میں تھے، وہ خود نکالے گئے اور مسلمانوں کی عزت وقدر میں مزید اضافہ ہوگیا۔

بادشاہ پر مسلمانوں کی چال چلن اور اُن کے رہن سہن کا گہرا اثر پڑا۔ اسلام سے اُس کی دلچسپی بڑھتی گئی۔ آخر کار رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن اُمیہ ضمیری کے ہاتھوں اُسے ایک خط روانہ کیا، جس میں بادشاہ کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ خط کا مضمون کچھ اِس طرح تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از طرف محمد رسول اللہ

بنام شاہ حبشہ نجاشی اَصحَم

میں آپ کے سامنے اُس اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جو بادشاہ ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسی بن مریم اللہ کی خاص روح اور اُس کے کلمہ ہیں جسے اُس نے پاکدامن، صاف ستھری، کنواری مریم کی طرف ڈالا تھا تو عیسیٰ کا حمل ٹھہر۔ اُنھیں اپنی روح پھونک کر پیدا کیا جیسا کہ آدم کو اپنے ہاتھ سے اور اُن میں روح پھونک کر پیدا کیا۔ بے شک میں آپ کو ایک اللہ کی دعوت دیتا ہوں کہ: اُس ذات کی عبادت کرو جس کا کوئی شریک نہیں اور پابندی کے ساتھ اُس کی فرمانبرداری کرتے رہو۔ میری پیروی کرو۔ مجھ پر اور جو کچھ میں لے کر آیا ہوں اُس پر ایمان لاؤ کیونکہ بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں آپ کی طرف اپنے چچازاد بھائی جعفر اور اُن کے ساتھ مسلمانوں کی ایک جماعت کو بھیج چکا ہوں۔

جب وہ لوگ آپ کے پاس پہنچیں تو اُن کی مہمانداری
کرنااور گھمنڈ سے باز رہنا۔ بے شک میں آپ کو اور آپ
کے لشکر کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں تبلیغ اور نصیحت کر چکا۔
لھٰذا میری نصیحت قبول کرو۔
سلامتی ہو اُس شخص پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے خط میں صاف صاف نجاشی بادشاہ کو اسلام کی دعوت پیش کی۔ بادشاہ جیسے پہلے ہی سے اُس دعوت کا منتظر تھا۔ اُس نے فوراً ہی خط کا جواب لکھا جس میں اُس نے کھلے دل سے اپنے مسلمان ہونے کا تذکرہ کیا تھا جس کا مضمون کچھ اِس طرح تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
ازطرف نجاشی اَصُحَم بن اَبُجر
بنام محمد رسول اللہ

سلام علیک یا نبی اللہ من اللہ ورحمتہ وبرکاتہٗ
اُس کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے مجھے اسلام کی
ہدایت دی۔ اے اللہ کے رسول! آپ کا خط مجھے ملا جس میں
آپ نے عیسیٰ کا حال ذکر کیا ہے۔ آسمان وزمین کے رب کی
قسم! آپ نے جو کچھ ذکر کیا ہے عیسیٰ اُس سے زیادہ کچھ نہیں۔
آپ کو جس چیز کے ساتھ ہماری طرف بھیجا گیا ہے ہم نے
اُسے پہچان لیا ہے۔ ہم نے آپ کے چچازاد بھائی اور آپ
کے اصحاب کی مہمانداری کی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ
بلا شبہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ سچے ہیں اور (انجیل کی)
تصدیق کرنے والے ہیں۔ میں نے آپ سے اور آپ کے

چچازاد بھائی سے بیعت کی۔ میں نے اُن کے سامنے اللہ
رب العٰلمین کے اسلام کو قبول کیا۔ اے اللہ کے نبی! میں نے
آپ کے پاس اپنے بیٹے ''اَرِیحا'' کو بھیجا ہے۔ میں صرف
اپنی جان کا مالک ہوں ۔ بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ
آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں، حق ہے۔ اگر میرا آنا آپ کو پسند ہو
تو میں اے اللہ کے رسول! آپ کے پاس آؤں گا۔[25]

نجاشی بادشاہ عیسائی تھا، مگر بگڑا ہوا عیسائی نہ تھا۔ وہ سچا تھا، سچائی کو پسند کرتا تھا۔ اُس کا دل تنگ نظری اور تعصب سے پاک تھا۔ حضرت جعفرؓ نے نبی ﷺ کا جو احوال اُسے سنایا تھا، وہ اُنھیں سن کر اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ یہ کسی نبی ہی کی شان ہوسکتی ہے اور جب اُس نے قرآن کی چند آیتوں کو سنا تو پھر محمد ﷺ کے نبی ہونے میں اُسے کوئی شک ہی نہیں رہ گیا۔

رسول اللہ ﷺ کا خط پاتے ہی وہ اِس طرح مسلمان ہوگیا جیسے وہ اُس موقعے کے انتظار ہی میں تھا۔

نجاشی بادشاہ آخر مسلمان کیوں ہوگیا؟ جبکہ عام عیسائیوں کے برخلاف اسلام کا نظریہ تھا کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے نہیں، بلکہ اُس کے بندے ہیں اور بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔ اسلام کے اِس واضح نظریے کے باوجود بادشاہ مسلمان ہوگیا، کیونکہ وہ انجیل کے اُس صحیح عقیدے سے واقف تھا جس کو رسول اللہ کے خط نے ظاہر کر دیا تھا۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی پُرکشش تعلیمات، خود رسول اللہ ﷺ کی دلچسپ شخصیت اور قرآن کی اثر انگیز آیتوں نے بادشاہ کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

[25] دلائل النبوۃ: ۲/۳۰۹، ۳۱۰

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہوئے

حضرت عمر بہت سخت مزاج آدمی تھے۔ وہ مسلمانوں کے جانی دشمن اور رسول اللہ ﷺ کے بڑے خلاف تھے ۔اُنھوں نے دیکھا کہ اِس نئے دین کی وجہ سے قریش کی پریشانی بڑھتی جارہی ہے، لھٰذا آئے دن کی بک بک جھک جھک سے اچھا ہے کہ محمد ﷺ کو معاذ اللہ قتل ہی کردیا جائے تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

چنانچہ اُنھوں نے تلوار لٹکائی اور رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں چل پڑے۔ اُس وقت آپ ''دارُالارقم'' میں موجود تھے۔ جہاں آپ کے چچا حضرت حمزہ، حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ راستے میں اُن کی قوم کے ایک آدمی نُعَیم بن عبداللہ ملے جو مسلمان ہو چکے تھے ،لیکن اپنی قوم کے ڈر سے اسلام کو چھپاتے تھے ۔اُنھوں نے پوچھا کہ: عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟

عمر نے جواب دیا: اُس بے دین محمد (ﷺ) کو قتل کرنے جارہا ہوں جس نے قریش میں پھوٹ ڈال دی ہے۔ قریش کے عقلمندوں کو بیوقوف سمجھ رکھا ہے۔ اُن کے دین کو عیب لگایا ہے اور اُن کے بتوں کو برا بھلا کہا ہے۔

نعیم نے کہا: خدا کی قسم! اے عمر! تمھارے نفس نے تم کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے کیا تم سمجھتے ہو کہ محمد (ﷺ) کو قتل کردو گے اور بنو عبد مناف تم کو زمین پر چلتا پھرتا چھوڑ دیں گے؟ تم اپنے گھر والوں کے پاس جا کر اُن کو ٹھیک کرو۔

عمر نے پوچھا: کون گھر والے؟

اُنھوں نے بتایا: تمھارے بہنوئی سعید بن زید اور تمھاری بہن فاطمہ دونوں مسلمان ہو چکے ہیں اور محمد (ﷺ) کے دین کی پیروی کر رہے ہیں۔ لھٰذا پہلے اُن دونوں کی خبر لو۔

عمر، وہاں سے اپنی بہن اور بہنوئی کی طرف پلٹے۔ اُس وقت حضرت خبّاب بن اَرَتّ اُن دونوں کو صحیفے میں لکھی ہوئی ''سورۂ طٰہٰ'' پڑھا رہے تھے۔ جب اُن لوگوں نے عمر کی آہٹ

محسوس کی تو حضرت خبّاب ایک کوٹھری میں جا کر چھپ گئے اور فاطمہ نے صحیفے کو اپنی ران کے نیچے دبا لیا، جبکہ عمر نے گھر کے قریب پہنچ کر سن لیا تھا کہ خبّاب اُنھیں کچھ پڑھا رہے ہیں۔

عمر نے گھر میں داخل ہو کر پوچھا: یہ کیا مبہم کلام تھا جو میرے سننے میں آیا؟

اُن دونوں نے جواب دیا: آپ نے کچھ تو نہیں سنا۔

اُنھوں نے کہا: کیوں نہیں! اللہ کی قسم! مجھے پتہ چل چکا ہے کہ تم دونوں نے محمد (ﷺ) کے دین کی پیروی کر لی ہے۔

اتنا کہہ کر اُنھوں نے اپنے بہنوئی سعید بن زید کو دبوچا۔ یہ دیکھ کر اُن کی بہن فاطمہ اٹھ کھڑی ہوئیں تا کہ اپنے شوہر کو بچائیں۔ اتنے میں عمر نے اپنی بہن کو مار دیا جس سے اُن کا سر زخمی ہو گیا۔

عمر کا یہ سلوک دیکھ کر اُن کی بہن اور بہنوئی دونوں بول پڑے کہ:

ہاں! ہم دونوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ ہم دونوں اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لے آئے ہیں۔ آپ سے جو بن پڑے کر لیں۔

عمر نے جب اپنی بہن کا بہتا ہوا خون دیکھا تو وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہو گئے۔ وہ اپنی حرکت سے باز آتے ہوئے اپنی بہن سے بولے:

لاؤ وہ صحیفہ مجھے دو جسے میں نے تم دونوں کو ابھی پڑھتے ہوئے سنا ہے! آخر وہ کیا ہے جسے محمد (ﷺ) لے کر آئے ہیں؟

عمر پڑھے لکھے آدمی تھے۔ اُن کی بات سن کر بہن نے کہا: ہمیں اُس صحیفے کے تعلق سے آپ سے ڈر محسوس ہو رہا ہے۔

عمر نے اپنے معبودوں کی قسم کھا کر کہا: میں پڑھنے کے بعد اُسے لوٹا دوں گا۔

اُن کی بات سے بہن کی امید جاگی کہ شاید وہ مسلمان ہو جائیں۔ بہن نے اُنھیں کہا: بھائی! آپ شرک کی وجہ سے ناپاک ہیں اور صحیفے کو صرف پاک آدمی ہی چھو سکتا ہے۔

عمر اٹھے اور غسل کر آئے۔ تب بہن نے صحیفہ اُن کے حوالے کیا جس میں ''سورۂ

طٰہٰ“ لکھی ہوئی تھی۔ عمر نے شروع کی چند آیتیں پڑھ کر کہا: یہ کتنا اچھا اور کتنا پیارا کلام ہے۔

عمر کا یہ جملہ سن کر حضرت خبّاب کوٹھری سے باہر نکل آئے اور بولے: عمر! اللہ کی قسم! مجھے امید ہے کہ نبی ﷺ کی دعا خاص طور سے آپ کے حق میں اللہ قبول فرمائے گا، کیونکہ کل میں نے اُنھیں دعا کرتے ہوئے سنا تھا کہ: ”اے اللہ! اسلام کو ابوالحکم بن ہِشام (ابوجہل) یا عمر بن خطّاب کے ذریعے مدد پہنچا!“۔

لھٰذا اے عمر! اللہ کو اپنا معبود حقیقی مان لو۔

اُن کی باتیں سن کر عمر نے کہا: اے خبّاب! مجھے محمد (ﷺ) کے پاس لے چلو تاکہ میں اسلام لے آؤں۔

حضرت خبّاب نے بتایا: وہ صفا پہاڑی کے پاس ایک گھر (دارُالارقم) میں ہیں۔ اُن کے ساتھیوں کی ایک جماعت بھی وہاں ہے۔

عمر نے اپنی تلوار اٹھا کر لٹکا لی اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی طرف چل پڑے۔ وہاں پہنچ کر اُنھوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ لوگوں نے جب آواز سنی تو اُن میں سے ایک شخص نے اٹھ کر دروازے کی دراڑ میں سے دیکھا کہ عمر تلوار لٹکائے کھڑے ہیں۔ وہ گھبرا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس بھاگے اور بولے کہ یا رسول اللہ! عمر بن خطّاب تلوار لٹکائے کھڑے ہیں۔

حضرت حمزہ نے کہا: اُنھیں آنے کی اجازت دی جائے۔ اگر وہ اچھے ارادے سے آئے ہیں تو ہم اُن کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے اور اگر برے ارادے سے آئے ہیں تو اُنہی کی تلوار سے اُن کو قتل کر دیں گے۔

تب رسول اللہ ﷺ نے اُنھیں آنے کی اجازت دے دی۔ ایک شخص جا کر اُنھیں اندر لے آیا۔ رسول اللہ ﷺ لپک کر اُن سے ملے اور اُن کی کمر پکڑ کر زور سے اپنی طرف کھینچتے ہوئے بولے:

”اے ابن خطّاب! کیسے آنا ہوا؟ اللہ کی قسم! میں نہیں سمجھتا کہ

تم اُس وقت باز آؤ گے جب اللہ تمھیں کسی تباہی میں ڈال دے گا‘‘۔

عمر نے کہا: یا رسول اللہ! میں اِس لئے آیا ہوں کہ اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤں اور جو کچھ اللہ کی جانب سے اترا ہے اُس پر ایمان لاؤں۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ایک تکبیر بلند کی جس سے گھر کے اندر موجود تمام صحابہ نے سمجھا کہ عمر نے اسلام قبول کرلیا۔[26]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بالکل خلافِ اُمید مسلمان ہوئے تھے۔ کہاں اُن کی دشمنی اور غصے کا یہ حال کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے اسلام دشمنی میں اپنی بہن کو مارا پیٹا اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنی چاہی، لیکن پانسہ پلٹ گیا اور عمر اپنی بازی ہار گئے۔

حضرت عمر نے قرآن کی چند آیتیں سنیں اور اُن کی کایا پلٹ ہوگئی۔ جس کی گردن اتارنے چلے تھے، اُس کے قدموں میں اپنا سر رکھ دیا۔

کہا جاتا ہے کہ اسلام تشدّد کے ماحول میں پھیلا اور مسلمانوں نے اُس کے لئے تلوار کا سہارا لیا۔ لیکن یہاں تو معاملہ ٹھیک الٹا نظر آتا ہے۔ اسلام کا ایک دشمن تشدّد کرنے چلا تھا اور وہ مسلمانوں پر اپنی تلوار آزمانا چاہتا تھا۔ اُس دشمن کا تشدد اتنا بڑھا ہوا تھا کہ اسلام کے خلاف اُس نے اپنی بہن کو بھی نہیں بخشا۔ مسلمان بہن نے اپنے شدت پسند بھائی کے ظلم کو سہا اور صبر سے کام لیا اور پھر جیسے ہی تبلیغ کا موقع ہاتھ آیا، قرآن پڑھ کر اُسے سنا دیا۔ بس یہیں سے دشمن کا دل و دماغ، سب کچھ بدل گیا۔

اسلام تشدّد سے نہیں پھیلا، بلکہ تشدّد کے ماحول میں صبر کر کے صرف رسول اللہ ﷺ کے پاکیزہ اخلاق اور قرآن جیسے مقدس کلام کے اَثر سے ایسا ممکن ہوسکا۔

---

[26] سیرۃ ابن ہشام: ۸۱/۱+ ۸۴

حضرت ضِمَاد رضی اللہ عنہ

حضرت ضِمَاد ''اَزْ دِشَنُوءَہ'' قبیلے سے تعلق رکھتے تھے جو جھاڑ پھونک کے ذریعے جنون کا علاج کیا کرتے تھے۔ اُنھوں نے مکے کے کچھ بیوقوفوں کو کہتے سنا کہ محمد (ﷺ) کو جنون کا روگ ہے۔ اُنھیں پتہ چلا تو کہا کہ میں اُس آدمی کے پاس جاتا ہوں شاید اللہ میرے ہاتھ سے اُسے شفا بخشے!

اُنھوں نے محمد رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور بتایا کہ میں اِس جنون کا جھاڑ پھونک سے علاج کرتا ہوں۔ اللہ جسے چاہتا ہے میرے ہاتھ سے شفا دیتا ہے۔ آپ آیئے!

(اُن کے منتر سے پہلے) رسول اللہ ﷺ نے یہ کلمات پڑھنے شروع کئے:

''اِنَّ الْحَمْدَلِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَامُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَاهَادِیَ لَهٗ اَشْهَدُ اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْکَ لَهٗ''۔

(بے شک سب تعریف اللہ کے لئے ہے۔ ہم اُس کی حمد بیان کرتے ہیں اور اُس کی مدد چاہتے ہیں۔ اللہ جسے ہدایت دے اُسے گمراہ کرنے والا کون اور جسے گمراہ کرے اُسے ہدایت دینے والا کون؟ میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، نہ اُس کا کوئی شریک ہے۔)

یہ سن کر ضماد نے کہا: دوبارہ اِنہی کلمات کو پڑھیے۔

اِس طرح آپ نے تین مرتبہ اُن کلمات کو دہرایا۔ تب ضماد نے کہا: میں نے کاہنوں کے بول، جادوگروں کے منتر اور شاعروں کے اشعار سنے ہیں جو اِن کلمات کی طرح نہیں ہیں۔ لٰھذا آپ اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں اسلام پر آپ سے بیعت ہو جاؤں۔

تب رسول اللہ ﷺ نے اُنھیں اور اُن کے ہاتھ سے اُن کی قوم کو بیعت کیا۔ [27]

حضرت ضماد چلے تھے جھوٹے جنون کا علاج کرنے اور رسول اللہ ﷺ نے اُن کے کفر کا علاج کردیا۔ جنتر منتر پڑھنے والے ضماد نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کلمات پیش کیے ہیں نہ وہ کاہن کے بول ہیں نہ جادوئی منتر اور نہ شاعری، بلکہ اُن تینوں سے مختلف کوئی اور ہی چیز ہے۔

آخر وہ کیا چیز ہے؟ بس اِسی نکتے پر اُن کا ذہن آ کر اٹک گیا۔ اُنھوں نے بہت جلد فیصلہ کرلیا کہ انسان کے بنائے ہوئے سارے کلام سے مختلف ضرور یہ کوئی الہامی کلام ہے۔ اگر محمد رسول اللہ ﷺ کا بنایا ہوا یہ اپنا کلام ہوتا تو وہ انسانوں کے کلام سے کسی حد تک ملتا جلتا ہوتا، لیکن محمد ﷺ کے کلام میں انسانی کلام کا کوئی رنگ نظر نہیں آتا۔ جب اُن کا کلام الہامی کلام ہے تو ایسا کلام تو کسی برگزیدہ ہستی پر ہی نازل ہوسکتا ہے۔ اگر محمد ﷺ اپنے الہامی کلام کی دلیل سے اپنی نبوت کا دعویٰ لے کر کھڑے ہوئے ہیں تو یقیناً وہ اپنے دعوے میں سچے ہیں۔

حضرت ضماد رضی اللہ عنہ نے کچھ اِسی زاویے سے سوچا تو اُنھیں رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا پڑا۔ الہامی کلام کی تاثیر نے اُنھیں مسلمان بنا کر چھوڑا۔

[27] دلائل النبوۃ:۲/۲۲۳-۲۲۴، صحیح مسلم:۱/۵۹۳ (حدیث:۸۶۸) اُسدالغابۃ:۳/۵۶، ۵۷

حضرت طُفَیل بن عَمرُو دُوسی رضی اللہ عنہ

حضرت طفیل بن عمرو دَوسی ایک شریف اور سمجھدار شاعر تھے۔ جب وہ مکے آئے تو قریش کے کچھ لوگ اُن کے پاس پہنچ کر کہتے ہیں:

یہ آدمی (محمد ﷺ) جو ہمارے درمیان رہ رہا ہے؛ ہمارے لئے مصیبت بن گیا ہے۔ اُس نے ہماری جماعت میں پھوٹ پیدا کر دی ہے۔ ہمیں تتر بِتر کر دیا ہے۔ اُس کی بولی جادو جیسی ہے جو باپ بیٹے، بھائی بھائی اور میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیتی ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ آپ اور آپ کی قوم اُس مصیبت میں نہ پڑ جائے جس میں ہم مبتلا ہیں۔ لھٰذا آپ اُس سے ہرگز بات نہ کریں اور نہ اُس کی کچھ سنیں۔

چنانچہ قریش کے لوگ برابر اُن کے پیچھے لگے رہے، یہاں تک کہ اُنھوں نے طے کرلیا کہ رسول اللہ ﷺ کی نہ کوئی بات سنیں گے اور نہ اُن سے بولیں گے حتیٰ کہ ایک دن جب وہ کعبے کی طرف آنے لگے تو اُنھوں نے اپنے کان میں روئی ٹھونس لی۔ ڈر تھا کہ کہیں آپ کی کوئی بات کان میں نہ پڑ جائے جب کہ وہ آپ کی کوئی بات سننا نہیں چاہتے تھے۔

جب وہ وہاں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ کعبے کے پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ آپ کے قریب آئے تو اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اُن کے کان میں آپ کی تلاوت کی آواز پہنچ ہی گئی۔ اُنھوں نے اُسے ایک عمدہ کلام پایا۔ اُنھوں نے اپنے جی میں کہا:

......میری ماں روئے! اللہ کی قسم! میں ایک سمجھدار شاعر ہوں۔ مجھ سے اچھا برا کلام چھپا ہوا نہیں ہے۔ تو پھر کس چیز نے مجھے اُس آدمی کی بات سننے سے روک رکھا ہے!؟ اگر وہ کوئی اچھی بات پیش کرے گا تو میں اُسے قبول کرلوں گا اور اگر بری بات ہوگی تو میں اُسے چھوڑ دوں گا......

کچھ دیر کے بعد رسول اللہ ﷺ جب اپنے گھر کی طرف بڑھے تو وہ بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل دیئے ، یہاں تک کہ جب آپ گھر میں داخل ہوئے تو آپ بھی اندر پہنچ گئے اور کہنے لگے:

......اے محمد (ﷺ)! آپ کی قوم نے آپ کے بارے میں مجھ سے ایسا ایسا کہا ہے ۔وہ لگا تار مجھے آپ کے معاملے میں ڈراتے رہے ، یہاں تک کہ میں نے اپنے کان میں روئی ٹھونس لی تا کہ آپ کی کوئی بات نہ سن سکوں ، پھر اللہ کے کرنے سے میں نے آپ کا پڑھنا سن ہی لیا۔ میں نے اُسے ایک عمدہ کلام پایا۔لھٰذا آپ اپنا معاملہ میرے سامنے پیش کیجئے!

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اُن کے سامنے اسلام پیش کیا اور اُنھیں قرآن پڑھ کر سنایا۔اُنھوں نے قرآن سن کر کہا: اللہ کی قسم! میں نے آج تک ایسا عمدہ کلام نہیں سنا تھا اور نہ اِس سے زیادہ سیدھا معاملہ دیکھا تھا۔

پھر وہ اسلام لے آئے اور حق کی گواہی دی اور کہا کہ:

اے اللہ کے نبی! میں اپنی قوم میں ایسا آدمی ہوں کہ لوگ میری باتیں مانتے ہیں۔ میں اُن کی طرف لوٹ کر جا رہا ہوں ۔ میں اُنھیں اسلام کی دعوت دوں گا۔لھٰذا آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے کوئی ایسی نشانی دے دے جس سے اسلام کی دعوت قبول کرنے میں اُن لوگوں کو مدد ملے۔

آپ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! اُسے کوئی ایسی نشانی دے!

وہ اپنی قوم کی طرف واپس ہو رہے تھے کہ ایک کھائی میں کچھ لوگ پانی کے قریب بیٹھے ملے۔اُس وقت اُن کی پیشانی میں چراغ کی طرح نور چمکنے لگا۔اُنھوں نے دعا کی کہ: ”اے اللہ! یہ نور، چہرے کے علاوہ کسی اور جگہ ڈال دے، کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ لوگ سمجھیں کہ میں نے اُن کا دین چھوڑ دیا ہے، اِس وجہ سے میرے چہرے کو یہ (سفید داغ کی)

عبرت ناک سزا ملی ہے''۔

چنانچہ وہ نور اُن کے کوڑے کے سِرے میں اتر آیا۔ وہاں موجود لوگوں نے اُس نور کو اُن کے کوڑے میں لٹکی ہوئی قندیل کی طرح دیکھا۔ اُس وقت وہ گھاٹی سے اتر رہے تھے۔

گھر پہنچے تو اُن کے بوڑھے والد اُن کے پاس آئے تو اُنھوں نے کہا: آپ مجھ سے دور رَہیں، کیونکہ اب میرا تعلق آپ سے نہیں اور آپ کا مجھ سے نہیں۔

باپ نے جواب دیا: بیٹے! جو تیرا دین ہے، وہی میرا دین ہے۔

اُنھوں نے کہا: تب آپ نہا دھو کر اور صاف ستھرے کپڑے پہن کر آیئے تو اُنھوں نے باپ کے سامنے اسلام پیش کیا تو اُنھوں نے اسلام قبول کرلیا۔

پھر اُن کی بیوی آتی ہے۔ اُسے بھی وہ کہتے ہیں کہ دور ہٹ! اب میرا تعلق نہ تجھ سے ہے اور نہ تیرا مجھ سے۔ اسلام نے میرے اور تیرے درمیان جدائی ڈال دی ہے۔ میں نے محمد ﷺ کے دین کی پیروی کرلی۔

بیوی بولتی ہے کہ: جو آپ کا دین ہے، وہی میرا دین ہے۔

اُنھوں نے کہا: تب جا! ''وادی ذِی السَّری'' کے چشمے سے پاک صاف ہو کر آ۔

بیوی جاتی ہے اور نہا دھو کر آتی ہے۔ وہ اُس کے سامنے اسلام پیش کرتے ہیں اور بیوی اسلام قبول کرلیتی ہے۔[28]

اِس پورے واقعے کو پڑھ جایئے تو پتہ چلتا ہے کہ حضرت طفیل بن عمرو دَوسی رضی اللہ عنہ نے کس قدر سنجیدہ ماحول میں اسلام قبول کیا تھا۔ مکہ کے کافروں نے اُنھیں ہر طرح سے بہکایا اور پوری کوشش کرڈالی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پھٹکنے نہ پائیں۔ اگر جائیں بھی تو نہ اُن سے بات کریں اور نہ اُن کی کوئی بات سنیں۔ کافروں نے حضرت طفیل بن عمرو دَوسی کی پوری طرح سے ذہن سازی کردی تھی۔ اُنھیں اتنا ڈرا دیا تھا کہ وہ کان میں روئی ٹھونس لیا کرتے تاکہ رسول اللہ ﷺ کی کوئی بات سننے ہی میں نہ آئے، لیکن مقدس کلام کی شیرینی

---

[28] سیرۃ ابن ہشام: ۱/۴۲۰+۴۲۲

اُن کے کان میں رَس گھول کررہی۔

رسول اللہ ﷺ کی پُرکشش تلاوت نے اُنھیں قرآن کی آیتوں میں دلچسپی لینے پر مجبور کردیا اور جب اُنھوں نے قریب سے رسول اللہ ﷺ کی آواز میں قرآن سنا تو وہ چونکے بغیر نہ رہ سکے۔ وہ نفسیاتی دباؤ میں پڑ گئے تھے کہ وہ خود ایک اچھے شاعر ہیں۔ اُنھیں شاعری کا معیار معلوم ہے۔ شعر کے لب و لہجے سے اچھی طرح واقف ہیں، لیکن محمد (ﷺ) کا یہ کلام شاعری سے بالکل مختلف چیز ہے۔

اسلام کی پیاری پیاری تعلیم اور قرآن کا الہامی نغمہ دیکھ سن کر وہ پھڑک اٹھتے ہیں اور بے ساختہ بول پڑتے ہیں کہ میں مسلمان ہوتا ہوں اور آپ کے 'حق' ہونے کی گواہی پیش کرتا ہوں۔

حضرت سَوادبن قارِب رضی اللہ عنہ

حضرت سواد بن قارب ایک کاہن تھے۔کسی ''جن'' سے اُن کا تال میل تھا۔ایک دفعہ جب وہ ہندوستان آئے ہوئے تھے تو ایک رات خواب میں وہی ''جن'' اُن کے پاس آیا اور کہنے لگا:

اٹھو! سمجھو! عقل ہو تو عقل سے کام لو! لوَی بن غالب خاندان کا

رسول ظاہر ہو گیا۔

پھر وہ کچھ اشعار گنگنانے لگا۔پھر اُس نے سواد بن قارب کو جگا دیا تو وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھے۔جن نے کہا:

اے سواد بن قارب! اللہ تعالیٰ نے اُس نبی کو ظاہر کر دیا ہے۔

اس کے پاس چل چلو! ہدایت اور رہنمائی پاؤ گے۔

دوسری رات پھر اُس نے آ کر اُنھیں جگایا اور ویسے ہی اشعار گنگنانے لگا۔تیسری رات پھر اُس نے آ کر جگا دیا اور ویسے ہی اشعار گنگنانے لگا۔تب اُنھوں نے اپنا کجاوہ اُٹھایا اور اُسے اپنی سواری پر مضبوطی سے باندھ دیا اور وہاں سے چل پڑے۔جلدی میں نہ اونٹنی کا تسمہ کھولا اور نہ کوئی گِرَہ لگائی اور سیدھے مدینے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ لوگ آپ کے اوپر جھکے ہوئے اِس طرح اکٹھا تھے جیسے گھوڑے کی گردن کے بال گردن پر جھکے ہوتے ہیں۔نبی ﷺ نے اُنھیں دیکھتے ہی کہا:

خوش آمدید اے سواد بن قارب! تمھارے ساتھ جو کچھ پیش آیا، ہمیں پتہ ہے۔

اُنھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے کچھ اشعار کہے ہیں، آپ سماعت فرمالیں۔

سواد بن قارب نے پڑھنا شروع کیا جس کا مفہوم تھا:

خواب میں میرے پاس ''جن'' آیا......تین راتوں تک

میں نے جو کچھ سنا وہ جھوٹ نہ تھا۔

وہ ہر رات مجھ سے کہتا: لؤی بن غالب خاندان کا رسول

تیرے پاس آ گیا۔

میں نے اپنی ازار سمیٹی...... مضبوط اونٹنی پر سوار ہو کر لمبے

چوڑے میدان میں نکل پڑا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کی کوئی حیثیت

نہیں...... بے شک آپ ہر غائب کے سلسلے میں معتبر آدمی ہیں۔

اے پاک عزت دار خاندان کے بیٹے ! آپ اللہ کی

بارگاہ میں تمام رسولوں سے زیادہ شفاعت کرنے کے حقدار ہیں۔

اے روئے زمین پر چلنے والوں میں سب سے بہتر ! آپ

کے پاس جو کچھ آتا ہے، اُس کا ہمیں حکم کیجئے!

اور آپ ہمارے لئے اُس دن سفارشی بنیں جس دن

آپ کے سوا کوئی سفارش کرنے والا نہ ہو گا جو سواد بن قارب کو

بے نیاز کر دے!

اشعار سن کر رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے ڈاڑھ کے دانت ظاہر ہو گئے۔ آپ نے سواد بن قارب کو کہا کہ تم کامیاب ہو گئے۔[29]

کاہن ہونے کی وجہ سے سواد بن قارب کے پاس اُن کا ''جن'' مختلف قسموں کی خبریں لایا کرتا تھا اور وہ بحیثیت کاہن اُس کی باتوں کو مانا بھی کرتے تھے، لیکن جب اُسی ''جن'' نے محمد ﷺ کے نبی ہونے کی خبر دی تو وہ پس و پیش میں پڑ گئے، لیکن مسلسل تین راتوں تک ''جن'' اُنھیں ابھارتا رہا اور احساس دلاتا رہا، چونکہ سواد بن قارب شاعر تھے، اِس لئے ''جن'' اُن کے ذوق کے مطابق شعر پڑھ پڑھ کر اُنھیں جذبہ دلاتا رہا اور اِس بات پر

[29] دلائل النبوۃ: ۲/۲۵۰-۲۵۱

آمادہ کرتا رہا کہ وہ مکے جا کر اُس نبی سے ہدایت حاصل کریں جو بنو ہاشم قبیلے کا ایک منتخب شخص ہے۔ جِن کی پُر جوش باتوں کو سن کر وہ شک کے دائرے سے نکل کر یقین کی منزل پر آ گئے۔ بس ایک توفیق کی بات تھی کہ ہندوستان سے مدینے آتے آتے وہ پوری طرح مسلمان ہو چکے تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے تئیں اتنے جذباتی ہو گئے تھے کہ آپ کی شان میں ایک نعت کہہ ڈالی۔ جس میں اُنھوں نے اپنے مسلمان ہونے کا اقرار و اعتراف بھی کیا تھا۔

حضرت مازن طائی رضی اللہ عنہ

حضرت مازن طائی ملک عمان میں واقع ''سمایل'' شہر کے باشندے تھے۔ وہ ایک پروہت تھے۔ بتوں کی خدمت کرتے تھے۔ اُن بتوں میں ''باجر'' نام کا ایک بت تھا۔ ایک دن اُنھوں نے ایک جانور کی بھینٹ چڑھائی تو وہ بت بول اٹھا کہ:

اے مازن! آ میرے قریب آ! سن نادان مت بن! نبی
مُرسَل حق لے کر آ چکا ہے۔ اُس پر ایمان لا، تاکہ تو بھڑکتی ہوئی آگ
سے بچ سکے، بڑی بڑی چٹانیں جس کے ایندھن ہیں۔

اِس آواز کو سن کر مازن ہکا بکا رہ گئے۔ کچھ دنوں کے بعد پھر اُنھوں نے اُسے ایک بھینٹ چڑھائی تو پھر وہ پہلے سے زیادہ واضح آواز میں بول پڑا:

اے مازن! خوشخبری سن! خیر ظاہر ہو گیا اور شر چھپ گیا۔
خاندانِ مُضَر کا نبی، اللہ کا بزرگ و برتر دین لے کر آ گیا۔ تراشے
ہوئے پتھروں کو چھوڑ، جہنم کی گرمی سے محفوظ رہے گا۔

مازن اُس آواز کو سن کر بولے کہ: اللہ کی قسم! بڑی عجیب بات ہے۔ یقیناً میرے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا گیا ہے۔

اتفاق سے اہل حجاز کا ایک آدمی اُن کے پاس آتا ہے۔ وہ اُس سے پوچھتے ہیں کہ مکے کی کیا خبر ہے؟

وہ بتاتا ہے کہ تہامہ میں احمد نام کا ایک آدمی ظاہر ہوا ہے۔ جو کوئی اُس کے پاس جاتا ہے، وہ اُس سے کہتا ہے کہ اللہ کے داعی کی بات مانو!

مازن نے کہا: اللہ کی قسم! یہ وہی خبر ہے جو میں نے سنی ہے۔

پھر وہ اپنے بت کے پاس گئے اور اُسے توڑ پھوڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اُن کا سینہ اسلام کے لئے کشادہ ہو چکا تھا، چنانچہ اُنھوں نے اپنی سواری سنبھالی اور رسول اللہ ﷺ کے

پاس آ گئے اور اسلام قبول کر لیا۔

اُنھوں نے عرض کیا:

یارسول اللہ! میں گانے بجانے، شراب نوشی اور آوارہ عورتوں کا شوقین آدمی ہوں۔ کئی سالوں سے میں اِس میں پڑا ہوا ہوں جس کی وجہ سے میری دولت لٹ گئی اور مردانگی جاتی رہی۔ میری کوئی اولاد نہیں۔ آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ میرا عیب دور کر دے، مجھ میں حیا ڈال دے اور کوئی بچہ عطا کر دے!

آپ نے دعا فرمائی:

اے اللہ! اُس کے گانے بجانے کو تلاوتِ قرآن سے بدل دے، حرام کو حلال سے بدل دے، اُس کے اندر حیا ڈال دے اور اُسے صاحبِ اولاد بنا دے!

چنانچہ اللہ نے اُن کے عیب کو دور کر دیا۔ اُن کا ملک ''عمّان'' سر سبز و شاداب ہو گیا، اُنھوں نے چار عورتوں سے شادی کی اور اللہ نے ایک بیٹا عطا کیا جس کا نام حیّان تھا۔[30]

حضرت مازن طائی برسوں سے جس بت کی پوجا کرتے آئے تھے، وہ حیرت انگیز طور پر بولنے لگا تھا۔ بت کا بولنا جس قدر حیرت انگیز تھا، اُس سے کہیں زیادہ حیرت انگیز یہ تھا کہ اُس نے مازن طائی پر انکشاف کیا تھا کہ یہ پوجا پاٹ اُن کے کسی کام کی نہیں۔ اگر وہ ہدایت کے راستے پر چل کر اللہ تک پہنچنا چاہتے ہیں تو جا کر اُس نبی کی پیروی کریں جو مکے کے معروف خاندان بنو ہاشم میں ظاہر ہوئے ہیں۔

اُنھیں بُت کے بولنے اور للکارنے پر بڑا تعجب ہوا۔ پہلی مرتبہ تو اُنھوں نے سنی اَن سنی کر دی، مگر جب دوبارہ بُت سے وہی للکار پیدا ہوئی تو وہ جیسے سوچ میں پڑ گئے کہ جس

---

[30] دلائل النبوۃ: ۲/۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷

بُت کی رات دن خدمت کرتا آیا، وہی مجھ سے کہہ رہا ہے کہ مجھے چھوڑ و اور کسی اجنبی شخص کی جا کر پیروی کرو۔ اِس سوچ نے اُن کے ذہن کو روشن کر دیا اور اُنھیں صحیح راستے پر ڈال دیا۔ پہلی فرصت میں وہ اتنا سمجھ چکے تھے کہ جب یہ پوجا پاٹ غلط ہے تو بُت کس کام کا؟ اٹھے اور ایک جھٹکے سے اُنھوں نے بت کو توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا۔

اپنے دین کے خلاف اتنا شدید ردِ عمل! صرف اِس لئے کہ اُنھیں اپنے دین کی کمزوری اور بت پرستی کی بے حقیقتی اچھی طرح معلوم ہو چکی تھی۔ مازن طائی کے معبود ہی نے اُن کی برسوں کی عبادت پر پانی پھیر دیا تھا۔

یہیں سے اُنھیں اُس اجنبی سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا جس کی طرف ''باجر بت'' نے رہنمائی کی تھی۔ شاید راستے ہی میں اُن کے اندر اندر اسلام نے اپنی جگہ بنالی تھی، چنانچہ وہ اپنی سواری سے اترتے ہی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو جاتے ہیں۔

مازن طائی نے اپنے گھر میں بت پرستی کا ماحول پایا تھا، اِس لئے وہ ایک بت پرست تھے۔ رات دن کی پوجا پاٹ اور برسوں سے چلی آ رہی بتوں کی خدمت گذاری نے اُنھیں کم از ایک اچھا انسان بھی بننے نہ دیا تھا۔ وہ بہت بڑے بڑے گناہوں میں لت پت ہونے کے ساتھ ساتھ عیاش طبیعت کے مالک بھی تھے۔ اُنھیں خود اپنی گندی عادتوں سے نفرت تھی، مگر اب تک وہ اُن عادتوں سے باز نہ آ سکے تھے۔ اُس کا علاج صرف اسلام کے دامن میں اُنھیں مل سکا، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اُن کے حق میں خاص دعا فرمائی۔ وہ اب تک لاولد تھے۔ دعا کی برکت سے صاحبِ اولاد ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ کی دعوت و تبلیغ کی ایک نامعلوم کشش تھی جس نے مازن طائی کو مسلمان بنا کر چھوڑا۔ آپ نے اُن کے دل میں اسلام ایسا داخل کر دیا تھا کہ اُن کی قوم کی ہزار لعنت وملامت کے باوجود باہر نہ آ سکا۔

حضرت رُکانہ رضی اللہ عنہ

حضرت رُکانہ عرب کے ایک نامور پہلوان تھے۔

ایک دن مکے کی کسی گھاٹی میں اُن کی ملاقات رسول اللہ ﷺ سے ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ نے اُن کو کہا:

''رُکانہ! اللہ سے ڈرو اور میری دعوت قبول کرلو''۔

اُنھوں نے کہا کہ: اگر مجھے یقین ہو جائے کہ آپ حق بات کہہ رہے ہیں تو میں آپ کو مان لوں۔

رسول اللہ ﷺ نے اُن کو کہا: اگر میں کُشتی میں تمھیں پچھاڑ دوں تو تم یقین کرو گے کہ میں حق بول رہا ہوں؟

اُنھوں نے کہا: ہاں!

آپ نے کہا: اٹھو کشتی کے لئے تیار ہو جاؤ۔

چنانچہ رُکانہ نے آپ سے کشتی لڑی اور آپ نے انھیں چِت پٹخ کر بے بس کر دیا۔

اُنھوں نے کہا: اے محمد! اللہ کی قسم! یہ عجیب بات ہے کہ آپ نے مجھے پچھاڑ دیا۔

کشتی دوبارہ ہوگی۔

دوسری مرتبہ بھی آپ نے اُنھیں پچھاڑ دیا۔

کہا جاتا ہے کہ اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بھی کہا تھا کہ اگر آپ مجھے پچھاڑ دیں گے تو ایک سو بکریاں آپ کو انعام میں دوں گا۔ اِس طرح آپ نے اُنھیں تین تین بار پچھاڑا اور ہر بار ایک سو بکریاں دینے کا وعدہ کیا۔

تیسری مرتبہ جب آپ نے اُنھیں پچھاڑا تو وہ کہنے لگے کہ:

اے محمد! آپ سے پہلے مجھے آج تک کسی نے چِت نہیں

کیا تھا اَور آپ سے زیادہ کسی اور سے مجھے نفرت نہیں تھی، مگر میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

تب رسول اللہ ﷺ اُنھیں چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اُن کا انعام اُنھیں واپس کر دیا۔[31]

حضرت رُکانہ کے مسلمان ہونے کا کیا سبب بنا؟ صرف اتنی سی بات کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک نامی گرامی پہلوان کو چاروں خانے چت کر دیا تھا؟

---

[31] سیرۃ ابن ہشام: ۴۲۹/۱، سیرۃ ابن کثیر: ۸۳/۲

ابن اسحٰق کی روایت ذرا مختلف ہے جسے ابن الاثیر جزری نے بھی کم وبیش نقل کیا ہے کہ رُکانہ کو چت کر دینے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ: اگر تم چاہو تو تمھیں اِس سے زیادہ عجیب چیز میں تمھیں دکھاؤں بشرطیکہ تم اللہ سے ڈرو اور میری پیروی کرلو۔

اُنھوں نے پوچھا: وہ کیا چیز ہے؟

وہیں پاس ایک ہرا بھرا درخت تھا۔ آپ نے کہا: وہ درخت جو تم دیکھ رہے ہو، اُسے میں تمھارے لئے بلاتا ہوں۔

اُنھوں نے کہا: بلائیے!

چنانچہ آپ نے اشارہ کرتے ہوئے کہا: آ! اللہ کے حکم سے۔

تو وہ درخت دو حصوں میں چِر گیا اور ایک حصے پر چلتا ہوا آپ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

رُکانہ نے آپ سے کہا: آپ مجھے ایک اور عظیم چیز دکھائیے! اِس درخت کو حکم کیجئے کہ وہ اپنی جگہ واپس چلا جائے۔

آپ نے رُکانہ سے وعدہ لیا کہ اگر وہ میرے حکم پر اپنی جگہ واپس چلا جائے تو تمھیں ضرور مسلمان ہونا پڑے گا۔

چنانچہ آپ نے حکم دیا تو وہ اپنے دوسرے حصے سے جا کر جُڑ گیا۔

[سیرۃ ابن ہشام: ۴۲۹/۱، اُسد الغابہ: ۲۳۶/۲]=

اصل میں پہلوان اپنی طاقت کے انمول گُر کی بنیاد پر کشتی لڑتا ہے، مدمقابل کو پچھاڑنے کے لئے ضروری قوت اور کامیاب گُر دونوں ہی ضروری ہیں۔ کشتی محض طاقت کی لڑائی نہیں، بلکہ یہ گُر بھی ہے۔ حضرت رُکانہ اِن دونوں ہی باتوں کے مالک تھے،لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے اُنھیں زمین پر چِت لٹادیا تو وہ یہ سوچ سوچ کر حیران تھے کہ جس آدمی نے کبھی اکھاڑے کا منہ نہ دیکھا اور نہ جس کا کل بل پہلوانوں جیسا ہے اور نہ جس نے کبھی کشتی کا کوئی گُر سیکھا؛ اُس نے حیرت انگیز طور پر مجھے پچھاڑ دیا؟ جبکہ میں کشتی کا ماہر اور گرانڈیل پہلوان ہوں!!

اپنی پہلوانی پر اُنھیں اتنا اعتماد اور ناز تھا کہ اُنھوں نے اپنے مذہب کا سودا اپنی ہار سے کرلیا اور جیتنے والے کے لئے سو جانوروں کا انعام مقرر کردیا۔ جیسے اُنھیں یقین تھا کہ جیتنا تو اُن کے مقدر میں لکھا ہے۔ نہ کوئی دوسرا جیتے گا نہ مجھے اپنا مذہب اور جانور دینا پڑے گا،

=ابن اسحٰق کی روایت میں اتنا مزید اضافہ ہے کہ:-

پھر رُکانہ اپنی قوم کے پاس جاکر بولے کہ اے بنوعبدمناف! دنیا بھر کے جادوگروں سے اپنے صاحب (محمد ﷺ) کا مقابلہ کراؤ! کیونکہ میں نے اُس سے بڑا ابھی کوئی جادوگر نہیں دیکھا، پھر اُنھوں جو کچھ دیکھا اور کیا تھا،قوم کے سامنے اُسے بیان کرڈالا۔[سیرۃ ابن ہشام:۴۲۹/۱]

حضرت رُکانہ کب مسلمان ہوئے؟ اِس سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ابن اسحٰق کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کشتی میں ہارنے اور درخت کے چلنے کا معجزہ دیکھنے کے بعد اسلام نہیں لائے تھے۔

ابوبکر شافعی کی روایت جسے ابن کثیر نے نقل کیا ہے، اُس سے پتہ چلتا ہے کہ رُکانہ کشتی میں ہارنے کے بعد اسلام لے آئے تھے۔[سیرۃ ابن کثیر:۸۳/۲]

مزّی اور ابن حجر نے بھی اِس قول کا ذکر کیا ہے۔[تہذیب الکمال:۲۲۵/۶،الاصابۃ:۴۱۳/۲]

لیکن ابن الاثیر جزری نے لکھا ہے کہ وہ اُس موقعے پر نہیں، بلکہ بعد میں اسلام لائے تھے۔

[اُسد الغابۃ:۲۳۶/۲]

مزّی، ذہبی اور ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے کہ وہ فتح مکہ کے موقعے پر اسلام لائے تھے۔

[تہذیب الکمال:۲۲۵/۶،تاریخ الاسلام:۵۰/۴۱،تقریب التہذیب:۲۵۲/۱]

لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے اُنھیں اٹھا کر پٹخ دیا تو اُن کا سارا گمان چکنا چور ہوگیا۔ اُن کے سارے کس بل نکل گئے۔ وہ گہرائی میں جا کر سوچ رہے تھے کہ آخر ایسا کیسے ہوگیا؟ لیکن اُنھوں نے اپنے اِس پریشان کن خیال کو یہ کہہ کر جھٹک دیا کہ محمد (ﷺ) کا مجھے اِس طرح چِت کر دینا کوئی اتفاق بھی ہوسکتا ہے، لیکن جب وہ تیسری مرتبہ بھی پچھاڑے گئے تو اُنھیں اعتراف کرنا پڑا کہ رُکانہ جیسے پہلوان کو پٹخ دینا کسی ماورائی طاقت کا کام ہے۔ اگر محمد (ﷺ) اپنے کو نبی بتاتے ہیں تو ایسی بے پناہ طاقت کسی نبی کے اندر ہی ہوسکتی ہے، بس اِسی احساس واعتراف کے بعد اُنھیں مسلمان ہونا پڑا۔

حضرت اِیاس بن مُعاذ رضی اللہ عنہ

ابوالحُسَیر انس بن رافع نام کا ایک شخص، بنوعبدالاَشْھَل کے کچھ جوانوں کے ساتھ مکے آتا ہے جس میں ایاس بن معاذ نام کا ایک نوعمر لڑکا بھی ہوتا ہے۔ یہ لوگ اپنی قوم خَزْرَج کے لئے قریش کو اپنا حلیف بنانے آئے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو پتہ چلا کہ کچھ لوگ یہاں آئے ہوئے ہیں تو آپ اُن کے پاس پہنچے اور بولے کہ آپ لوگ جس چیز کے لئے آئے ہیں، اگر میں اُس سے بہتر چیز پیش کروں تو آپ کو اُس میں دلچسپی ہوگی؟

اُن لوگوں نے پوچھا: وہ کیا چیز ہے؟

آپ نے کہا:

”میں اللہ کا رسول ہوں۔ جس نے مجھے بندوں کے پاس اِس لئے بھیجا ہے کہ میں اُنھیں اِس بات کی دعوت دوں کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ اُس نے مجھ پر کتاب اُتاری ہے“۔

پھر آپ نے اُنھیں اسلام کی دعوت دی اور اُنھیں قرآن پڑھ کر سنایا۔

یہ سن کر ایاس بن معاذ نے اپنی قوم سے کہا کہ: اللہ کی قسم یہ واقعی اُس چیز سے بہتر ہے جس کی طلب میں آپ لوگ آئے ہیں۔

تب ابوالحُسَیر نے مٹھی بھر مٹی لی اور ایاس بن معاذ کے چہرے پر مارتے ہوئے کہا: اپنی بکواس چھوڑ! ہم کسی دوسری غرض سے یہاں آئے ہوئے ہیں۔

ایاس چپ ہوگئے اور رسول اللہ ﷺ بھی اٹھ کر چلے گئے۔

پھر رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینے چلے گئے۔ ایاس بن معاذ کی دوبارہ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات نہ ہوسکی، لیکن وہ دل ہی دل میں مسلمان ہو چکے تھے۔ اُن کی قوم کا ایک آدمی جو اُن کی موت کے وقت اُن کے پاس موجود تھا، اُس کا بیان ہے کہ:

وہ دیر تک تکبیر و تہلیل، تسبیح اور حمد پڑھتے رہے اور لوگ سنتے رہے، تب اُن کی موت ہوئی۔ اُس وقت کسی کو شک نہیں رہ گیا تھا کہ وہ مسلمان ہو کر مرے ہیں۔

اُنھوں نے اُسی ایک مجلس میں رسول اللہ ﷺ کی باتیں سن کر اسلام کو سمجھ لیا تھا۔[32]

حضرت ایاس بن معاذ کی جب پہلی ملاقات رسول اللہ ﷺ سے ہوئی تو اُس وقت وہ نوعمر لڑکے تھے۔ اُس نوعمری میں اُن کا ذہن سادہ اور دل کورے کاغذ کی طرح تھا۔ اِس لئے رسول اللہ ﷺ کی دلنشیں تعلیم اور تاثیر سے بھرپور مقدس قرآن کی تلاوت نے اُن پر اپنا جادو چلا دیا تھا۔ وہ اسلام کی سادگی اور رسول اللہ ﷺ کی پرکشش شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

اگر انسان کا دل ہر طرح کی آلائشوں سے پاک اور ذہن تمام الٹے سیدھے خیالات سے خالی ہو تو وہ اسلام کو قبول کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

[32] سیرۃ ابن ہشام: ۳۱/۲

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن سلام یہود کے ایک زبردست عالم تھے۔ جب اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی شہرت سنی تو اُن کے نام، اوصاف اور اُن کی نبوت کے زمانے کو دیکھ سن کر تاڑ گئے کہ یہ وہی نبی ہے جس کا ہم انتظار کر رہے ہیں، لیکن اُنھوں نے اِس بات کو اپنے دل میں رکھا اور خاموشی اختیار کرلی، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینے پہنچتے ہیں۔

جن دنوں آپ کا قیام قبا میں بنوعمرو بن عوف کے ہاں تھا۔ اُن دنوں ایک آدمی آپ کی آمد کی خبر لے کر اُن کے پاس آتا ہے۔ اُس وقت وہ کھجور کے درخت پر چڑھ کر کوئی کام کر رہے تھے اور اُن کی پھوپھی خالدہ بنت حارث نیچے بیٹھی ہوئی تھیں۔ اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی آمد آمد کی خبر سن کر تکبیر بلند کی۔ اُن کی پھوپھی نے اُن کی تکبیر سن کر کہا: اللہ تجھے رسوا کرے! قسم خدا کی اگر تمھیں ''موسیٰ بن عمران'' (علیہ السلام) کے آنے کی خبر ملتی تو اُس سے زیادہ کچھ نہ کہتے۔ (یعنی خوشی کا جو نعرہ تو اپنے نبی کے لئے لگاتا وہی نعرہ ایک عام آدمی کے لئے لگا دیا۔)

اُنھوں نے اپنی پھوپھی سے کہا: قسم خدا کی! وہ موسیٰ بن عمران کے بھائی ہیں اور اُنہی کے دین پر ہیں۔ وہ وہی تعلیم لے کر آئے ہیں جو حضرت موسیٰ لے کر آئے تھے۔

پھوپھی نے پوچھا: بھتیجے! کیا یہ وہی نبی ہیں جن کے آنے کی خبر گرم تھی کہ وہ قیامت کے قریب ظاہر ہوں گے؟

اُنھوں نے بتایا کہ ہاں! یہ وہی نبی ہیں۔

تب پھوپھی نے کہا: جب تو اُن پر ایمان لانا ہوگا۔

پھر حضرت عبداللہ بن سلام، رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر اسلام قبول کر لیتے ہیں۔

مسلمان ہو جانے کے بعد اپنے گھر لوٹ کر جاتے ہیں اور گھر والوں کو بھی مسلمان ہونے کا حکم دیتے ہیں تو وہ لوگ بھی مسلمان ہو جاتے ہیں، لیکن اپنا مسلمان ہونا یہودیوں

سے چھپائے ہوئے تھے۔

ایک دن وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ: یہود باطل قوم ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کسی روز مجھے اپنے گھر کے کسی حصے میں چھپادیں، پھر آپ اُن یہودیوں سے میرے بارے میں پوچھیں تاکہ وہ اپنے منہ سے کہیں کہ اُن کے درمیان میری کیا حیثیت ہے؟

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ویسا ہی کیا، پھر یہود آپ کے پاس آتے ہیں۔ آپ سے کچھ بات چیت ہوتی ہے، کچھ پوچھ گچھ کرتے ہیں۔ پھر آپ اُن سے کہتے ہیں کہ:

عبداللہ بن سلام تمہارے درمیان کیا حیثیت رکھتے ہیں؟

وہ بولتے ہیں کہ: وہ ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں۔ وہ ہمارے دینی پیشوا اور عالم ہیں۔

اُن لوگوں نے اتنا کہا ہی تھا کہ حضرت عبداللہ بن سلام اُن کے سامنے ظاہر ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: اے یہود کی جماعت! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ یہ نبی کہہ رہے ہیں اُسے مان لو۔ اللہ کی قسم! تمھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں جن کے نام اور اوصاف کے بارے میں توریت کے اندر لکھا ہوا تم پاتے ہو۔ بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ میں اُن پر ایمان لاتا ہوں، اُن کی تصدیق کرتا ہوں اور اُن کو پہچانتا ہوں۔

اِس پر اُن لوگوں نے کہا کہ: آپ جھوٹ بکتے ہیں۔

پھر وہ لوگ اُنھیں برا بھلا کہنے لگتے ہیں۔

اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ یہود باطل قوم ہیں۔ دغاباز، جھوٹے اور بدکار ہیں۔

پھر اُنھوں نے اپنے اور اپنے گھر والوں کا اسلام ظاہر کر دیا اور اُن کی پھوپھی خالدہ بنت حارث بھی ایمان لے آتی ہیں۔[33]

---

[33] سیرۃ ابن ہشام: ۲/۱۳۰-۱۳۱

یہودی علماء اور پادری توریت پڑھ پڑھ کر اچھی طرح جانتے تھے کہ مکے میں ظاہر ہونے والے محمد ﷺ ہی وہ نبی ہیں جن کے بارے میں موسیٰ علیہ السلام بتا گئے ہیں۔ اُس آنے والے نبی کے تعلق سے جو کچھ بھی توریت میں لکھا موجود تھا، وہ سب محمد رسول اللہ ﷺ پر درست نکلا تھا، لیکن یہ علماء، یہ پادری اپنی سرداری بچانے کے چکر میں اُس سچے نبی کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں تا کہ قوم سے جو نذرانے وصول ہو رہے ہیں، وہ بند نہ ہو جائیں، لیکن سچ سچ ہی رہتا ہے۔ چاند کا تھوکا اپنے ہی منہ پر آ کر پڑتا ہے۔

عبداللہ بن سلام نے اُس سچ کو ظاہر کر دیا تھا جسے دوسرے علماء اور پادری چھپانے کی سازش کر رہے تھے اور اپنی قوم کو اُس سازش کا شکار بنا رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام کے اسلام لانے سے اُن سب لوگوں کی پول کھل گئی۔ اُن کا مسلمان ہونا، اُن سب کے خلاف ایک حجت ہو گیا کہ اگر محمد ﷺ سچے نبی نہیں تو آخر وہ کیونکر مسلمان ہوئے؟ جبکہ وہ خود بھی ایک دینی پیشوا اور عالم تھے اور اُن کے باپ بھی۔ اُنھوں نے اُس منصب اور عزت کو کس لئے لات ماردی؟ اور عوام سے ملنے والے نذرانے پر کیوں خاک ڈال دی؟ منصب، عزت اور دولت کسے پیاری نہیں ہوتی؟ لیکن حضرت عبداللہ بن سلام نے حق و صداقت کی خاطر اسلام قبول کر کے ظاہر کر دیا کہ وہ ایک سچے پکے یہودی تھے جو توریت اور صاحبِ توریت پر دل سے ایمان رکھتے تھے۔ لھٰذا توریت کو اللہ کی کتاب ماننے اور موسیٰ علیہ السلام کو سچا رسول ماننے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی اللہ کا سچا رسول مانے اور قرآن کو اللہ کی کتاب تسلیم کرے۔

بس اِنہی جذبات نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے گھر والوں کو مسلمان ہونے پر مجبور کر دیا۔

حضرت مُخَیریق رضی اللہ عنہ

حضرت مُخَیریق بھی عالم اور دینی پیشوا تھے۔ وہ ایک مالدار آدمی تھے۔ اُن کے پاس کھجوروں کے بہت سارے درخت تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے علم کے مطابق اُن کے اوصاف سے پہچانتے تھے، لیکن اُن پر اپنے دین کی محبت غالب رہی، یہاں تک کہ سنیچر کے دن واقع ہونے والی جنگ اُحد کے موقع پر اُنھوں نے یہودیوں سے کہا کہ: اللہ کی قسم! تمھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ محمد ﷺ کی مدد کرنا تم لوگوں پر ضروری ہے۔

اُن لوگوں نے جواب دیا: آج تو سنیچر کا دن (یومُ السَّبُت) ہے۔[☆]

اُنھوں نے کہا: اب تم لوگوں کے لئے سنیچر کی کوئی حیثیت نہیں۔

پھر اُنھوں نے اپنا ہتھیار اٹھایا اور نکل پڑے، یہاں تک کہ میدانِ اُحد میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ آتے وقت اُنھوں نے اپنی قوم کے سامنے کسی شخص کو وصیت کردی تھی کہ: اگر میں اِس دن مارا جاؤں تو میرا سارا مال محمد ﷺ کے حوالے کردینا۔ وہ اللہ کے حکم کے مطابق اُس کا استعمال کریں گے۔

چنانچہ جب جنگ چھڑی تو وہ بھی لڑے اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔

رسول اللہ ﷺ ان کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ: ”مُخَیریق یہود میں بہتر ہیں“۔

رسول اللہ ﷺ نے اُن کا سارا مال اپنے قبضے میں لے لیا۔ مدینے میں آپ اُنہی کے مال سے عام صدقہ کرتے تھے۔[34]

حضرت مُخَیریق کو نہ تو کسی نے کہا تھا کہ آپ مسلمان ہوجائیں نہ اُنھیں کسی بات کا لالچ دیا گیا تھا اور نہ اُن کے ساتھ کسی قسم کی کوئی مجبوری تھی، مگر اُس کے باوجود وہ مسلمان ہوکر اپنی جان محمد ﷺ پر نچھاور کردیتے ہیں۔

اِس کی وجہ صرف اتنی تھی کہ وہ ایک پکے اور بے لوث یہودی عالم تھے اور اُنھیں

[☆] یہ یہودیوں کی عبادت کا دن تھا جس میں وہ لوگ کوئی کام نہیں کرتے تھے۔

[34] سیرۃ ابن ہشام ۲/۱۳۱-۱۳۲

اپنے دین سے بڑی محبت تھی۔ اُنھوں نے اپنے مقام ومنصب کا صرف جائز استعمال کیا۔ لالچی پادریوں اور دنیادار عالموں کی طرح اُنھوں نے اپنی مقدس کتاب توریت کے ساتھ غداری نہیں کی، بلکہ توریت کے بیان کے مطابق جب اُنھوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کی صورت میں ''اُس آنے والے نبی'' کی شناخت کرلی تو اُسے دل سے مان لیا۔ اپنے دین کے ساتھ ایمانداری اور توریت کے ساتھ سچی وفاداری کا یہی مطلب بنتا تھا۔

وہ اپنے دین کے تعلق سے اِس قدر جذباتی تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کئے گئے عہد کو ہر قیمت پر ادا کرنے کو آمادہ تھے۔ ہر نبی سے اور نبی کی تمام امت سے اللہ تعالیٰ نے عہد لے رکھا تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ جس زمانے میں بھی ظاہر ہوں گے، اُن پر ایمان لانا اور اُن کی مدد کرنا ہر ایک کی پہلی ذمہ داری ہوگی۔

چنانچہ حضرت مُخَیریق نے اپنی اُس ذمہ داری کو پہلی فرصت میں ادا کیا اور محمد رسول اللہ ﷺ کی مدد کے لئے اُحد کے میدان میں پہنچ گئے اور آخری سانس تک وہ رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیتے رہے، یہاں تک اسلام کے نام پر اُنھوں نے جان قربان کردی۔

یہ کون سا جذبہ تھا جس نے ایک یہودی عالم کو مسلمان ہونے پر مجبور کردیا تھا؟ جس نے اپنی جان، اپنا سب کچھ لٹادینے میں کوئی جھجھک محسوس نہ کی؟

اِس کا صرف ایک جواب ہے:

حق کی پاسداری اور اپنے دین کے ساتھ وفاداری۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

سلمان فارسی اصبہان شہر کے ایک گاؤں ''جَیّ'' کے باشندے تھے۔اُن کے والد اُس گاؤں کے چودھری تھے۔وہ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ اُنھیں چاہتے تھے اور اُن سے اتنی زیادہ محبت کرتے تھے کہ اُنھیں لڑکیوں کی طرح گھر میں پابند کر دیا تھا۔

مجوسی مذہب رکھنے والے سلمان فارسی دن رات آتش پرستی میں لگے رہتے تھے، یہاں تک کہ وہ اُس آگ کے اتنے بڑے خادم ہو گئے تھے کہ آگ کو لمحہ بھر کے لئے بھی بجھنے نہیں دیتے تھے۔اُن کے والد کی ایک لمبی چوڑی زمین تھی جس میں وہ کھیتی باڑی یا باغبانی کے کاموں کی دیکھ ریکھ کیا کرتے تھے۔ایک دن اُن کے والد کو کسی ضروری کام سے گھر پر رکنا پڑا تو اُنھوں نے اپنے بیٹے کو کہا کہ: آج میں گھر کے کچھ کام میں مصروف ہو گیا ہوں، لھٰذا جاؤ زمین کے فلاں فلاں کام کی نگرانی کر آؤ،لیکن راستے میں کہیں رک نہ جانا، کیونکہ زمین کی دیکھ ریکھ سے زیادہ اہم میرے نزدیک تم ہو۔

چنانچہ وہ زمین کی دیکھ ریکھ کے کام سے نکل پڑے۔راستے میں اُن کا گذر ایک گرجا گھر سے ہوا۔اُنھوں نے گرجا گھر کے اندر لوگوں کی آوازیں سنیں اور اُنھیں نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ چونکہ اُن کے والد اُنھیں گھر کی چار دیواری کا پابند بنا کر رکھتے تھے؛ اِس وجہ سے اُنھیں نہیں پتہ تھا کہ لوگوں کے کیا حالات ہیں ؟ اُنھوں نے جب عیسائیوں کو دیکھا تو اُن کی نماز اُنھیں بھا گئی اور اُن کے اِس طور طریقے سے اُنھیں دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اُنھوں نے اپنے آپ سے کہا...... اللہ کی قسم! یہ ہمارے دین سے بہتر دین ہے......

وہ سورج غروب ہونے تک وہیں ٹھہرے رہے اور اپنے والد کی زمین تک نہیں پہنچے، پھر اُنھوں نے اُن لوگوں سے پوچھا: اِس دین کی اصل کہاں ہے؟

لوگوں نے بتایا کہ: ''شام'' میں۔

پھر وہ وہاں سے گھر لوٹے جبکہ اُن کے والد اُن کی تلاش میں آدمی دوڑا چکے تھے۔

اُس دن اُنھوں نے کوئی کام نہ کیا۔ جب وہ لوٹ کر آئے تو والد نے پوچھا: بیٹے! تم کہاں تھے؟ کیا میں نے تم سے وعدہ نہ لیا تھا؟

اُنھوں نے جواب دیا: والد گرامی! میرا گذر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جو اپنے گرجا گھروں میں نماز پڑھ رہے تھے۔ مجھے اُن کا دین بھا گیا۔ اللہ کی قسم! سورج غروب ہونے تک میں وہیں ٹھہرا رہا۔

والد نے کہا: بیٹے! اُس دین میں کوئی بہتری نہیں۔ تمھارے اور تمھارے باپ دادا کا دین اُس سے بہتر ہے۔

اُنھوں نے کہا: ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! وہ ہمارے دین سے بہتر ہے۔

اُن کے والد نے ڈر کے مارے اُن کے پاؤں میں بیڑیاں ڈلوادیں اور گھر میں قید کر دیا۔

پھر سلمان فارسی نے عیسائیوں کے پاس ایک آدمی بھیج کر کہلوایا کہ: جب آپ لوگوں کے پاس شام کا کوئی قافلہ آئے تو مجھے خبر کیجیے گا، چنانچہ ملک شام سے عیسائیوں کا ایک تجارتی قافلہ آیا تو اُن لوگوں نے اُنھیں خبر بھجوائی تو اُنھوں نے پھر کہلوا بھیجا کہ جب وہ تجارتی قافلہ اپنی ضرورت پوری کر کے اپنے ملک واپس ہونے لگے تو مجھے خبر دینا۔ چنانچہ جب قافلے کے وطن روانہ ہونے کی خبر ملی تو اُنھوں نے اپنے پاؤں سے بیڑی اتاری اور قافلے کے ساتھ شامل ہو کر ملک شام آ گئے۔ وہاں پہنچ کر اُنھوں نے دریافت کیا کہ یہاں اِس دین کا سب سے بہتر عالم کون ہے؟

لوگوں نے بتایا کہ: ''گرجا گھر کا پادری''۔

وہ اُس پادری کے پاس آتے ہیں اور اُس سے کہتے ہیں: مجھے اِس دین سے دلچسپی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے ساتھ رہوں اور آپ کے گرجا گھر میں خدمت انجام دوں۔ آپ سے علم حاصل کروں اور نماز ادا کروں۔

اُس نے کہا: ٹھیک ہے، رہو!

چنانچہ وہ اُس کے ساتھ رہنے لگے۔

لیکن وہ برا آدمی ثابت ہوا۔لوگوں کو صدقہ کا حکم دیتا تھا اور اُنھیں صدقہ ادا کرنے کی رغبت دلاتا تھا، لیکن جب لوگ اُس کے پاس صدقہ کا کچھ مال لے کر آتے تو اُسے اپنے لئے جمع کر کے رکھ لیتا اور مسکینوں کو کچھ نہ دیتا، یہاں تک کہ اُس نے سونے اور چاندی کے سات بڑے بڑے گھڑے جمع کر لئے تھے۔اُس کے اِس کرتوت کو دیکھ کر سلمان فارسی کو اُس سے بڑی نفرت ہوگئی تھی ۔جب وہ مَرا اور عیسائی اُس کے کفن دفن کے لئے اکٹھا ہوئے تو اُنھوں نے اُن عیسائیوں کو بتایا کہ یہ ایک برا آدمی تھا۔آپ لوگوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیتا تھا اور صدقہ کی ترغیب دلاتا تھا، لیکن جب آپ حضرات صدقہ کا مال لے کر اُس کے پاس آتے تھے تو وہ اُسے اپنے پاس رکھ لیتا تھا، مسکینوں کو اُس میں سے کچھ بھی نہ دیتا تھا۔

عیسائیوں نے اُن سے پوچھا: تمھیں اِس کا علم کیسے ہوا؟

اُنھوں نے کہا: میں آپ لوگوں کو لے چل کر اُس کے جمع کیئے ہوئے خزانے کی جگہ دکھاتا ہوں۔

عیسائیوں نے کہا: لے چلو!

چنانچہ وہ لوگ آئے اور اُس جگہ سے سونے اور چاندی سے بھرے ہوئے سات گھڑے نکالے۔عیسائی اُس بھرے ہوئے خزانے کو دیکھ کر کہنے لگے: اللہ کی قسم! ہم کبھی اُسے دفن نہ کریں گے۔

چنانچہ اُن سبھوں نے اُسے سولی پر چڑھا دیا اور پتھر مار مار کر ختم کر دیا۔پھر اُس کی جگہ ایک دوسرے آدمی کو لا کر اُن لوگوں نے بٹھایا۔وہ آدمی نماز کا پابند، ہر ایک سے افضل، سب سے بڑا زاہد، سب سے زیادہ آخرت سے دلچسپی لینے والا اور رات دن سب سے زیادہ عبادت و ریاضت کرنے والا تھا۔سلمان فارسی کو اُس سے بے پناہ محبت ہوگئی۔اُنھیں اِس سے پہلے کسی سے اتنی محبت نہ تھی۔وہ اُس کے ساتھ ایک لمبے عرصے تک رہے۔جب اُس کی موت کا وقت آیا تو اُنھوں نے مرتے وقت اُس سے کہا: میں آپ کے ساتھ ساتھ رہا اور

آپ سے بے پناہ محبت کرتا تھا۔اب اللہ کا حکم آپہنچا ہے تو آپ اپنے بعد کس کے پاس جانے کی مجھے وصیت کرتے ہیں اور کیا حکم دیتے ہیں؟

اُس نے کہا: بیٹے !اللہ کی قسم !میں نہیں جانتا کہ میں جس دین پر تھا آج اُس پر کوئی قائم ہو۔لوگ برباد ہو گئے ،اپنے دین کو بدل دیا اور دین کی اکثر باتوں کو چھوڑ دیا۔ البتہ مَوصِل میں فلاں نام کا ایک آدمی ہے۔وہ اُسی طریقے پر قائم ہے جس پر میں تھا،لھٰذا اس کے پاس چلے جانا۔

چنانچہ جب وہ پادری مر گیا اور اُسے دفنا دیا گیا تو سلمان فارسی موصِل والے شخص کے پاس پہنچے اور اُس سے کہا کہ: فلاں پادری نے مرتے وقت مجھے وصیت کی تھی کہ آپ سے ملاقات کروں۔اُنھوں نے بتایا تھا کہ آپ اُنہی کے طور طریقے پر ہیں۔

اُس نے سلمان فارسی سے کہا: ٹھیک ہے، میرے پاس قیام کرو!

چنانچہ وہ اُس کے پاس رہنے سہنے لگے۔وہ اُس پادری کے طور طریقے کے مطابق بہتر آدمی ثابت ہوا۔سلمان فارسی اُس کی موت تک اُسی کے پاس ٹھہرے رہے۔موت کے وقت اُنھوں نے اُس سے کہا:

فلاں پادری نے اپنے بعد مجھے آپ سے ملاقات کرنے کی وصیت کی تھی۔اب آپ کے پاس بھی اللہ کا حکم آچکا ہے،لھٰذا آپ مجھے کس سے ملاقات کرنے کی وصیت کرتے ہیں اور کیا حکم دیتے ہیں؟

اُس نے کہا: بیٹے !اللہ کی قسم !میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو ہمارے طریقے پر ہو۔البتہ ''نَصِیبِین'' میں فلاں نام کا ایک آدمی ہے۔تم اُسی کے پاس چلے جانا!

چنانچہ جب وہ مر گیا اور اُسے دفنا دیا گیا تو سلمان فارسی نصیبین والے آدمی سے ملاقات کرتے ہیں۔اُسے اپنے بارے میں اور موصِل والے آدمی کی باتوں کے تعلق سے بتاتے ہیں۔

یہ سن کر اُس نے کہا: میرے پاس قیام کرو!

چنانچہ وہ اُس کے پاس رہنےسہنے لگے۔ اُنھوں نے اُسے اپنے گذرے ہوئے دونوں ساتھیوں کے طورطریقے پر ایک اچھا آدمی پایا۔ وہ اُس کی وفات تک اُسی کے پاس رہے۔ جب وفات کا وقت قریب آیا تو اُنھوں نے اُس سے کہا:

فلاں پادری نے مجھے فلاں سے ملاقات کرنے کی وصیت کی تھی اور اُس فلاں نے آپ سے ملاقات کرنے کی وصیت کی۔ اب آپ کس سے ملاقات کرنے کی وصیت کرتے ہیں اور کیا حکم دیتے ہیں؟

اُس نے کہا: بیٹے! اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ ہمارے طورطریقے کا کوئی آدمی رہ گیا ہو۔ ہاں ملکِ روم کے ''عمُّورِیَہ'' شہر میں ایک آدمی ہے۔ وہ یقیناً ہمارے طورطریقے کے مطابق ہے۔

چنانچہ جب وہ مر گیا اور اُسے دفنا دیا گیا تو سلمان فارسی ''عمُّوریہ'' والے ساتھی سے ملاقات کرتے ہیں اور اپنے حالات بتاتے ہیں۔

وہ کہتا ہے: ہمارے پاس قیام کرو!

وہ بھی ایک اچھا آدمی نکلا جو اپنے ساتھیوں کے طورطریقے کے مطابق تھا۔

سلمان فارسی نے وہاں کچھ کمائی بھی کی اور کچھ گائے اور بکریاں بھی جمع کرلیں۔ پھر اُس آدمی کے پاس بھی اللہ کا حکم آ گیا۔ جب وہ مرنے کے قریب ہوا تو اُنھوں نے اُس سے کہا: میں فلاں کے پاس تھا تو اُس نے اپنی موت کے وقت فلاں سے ملنے کی مجھے وصیت کی، پھر اُس نے بھی فلاں سے ملنے کی وصیت کی، پھر اُس نے آپ سے ملاقات کرنے کی وصیت کی۔ اب آپ کس سے ملاقات کرنے کی وصیت کرتے ہیں اور کیا حکم دیتے ہیں؟

اُس نے کہا: بیٹے! اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ آج دنیا بھر میں کوئی ایسا آدمی ہے جو ہمارے طورطریقے پر قائم ہو اور جس سے ملاقات کرنے کا میں تمھیں حکم دوں، لیکن اُس نبی کا زمانہ آ گیا ہے جو ابراہیم علیہ السلام کا دین لے کر آئے گا۔ عرب کی سرزمین میں ظاہر ہوگا، پھر اُس سرزمین کی طرف ہجرت کر جائے گا جو دو سیاہ پتھروں والی زمینوں کے درمیان واقع ہے۔

جن کے درمیان کھجوروں کے درخت ہوں گے۔ اُس کے ساتھ کھلی ہوئی نشانیاں ہوں گی۔ وہ ہدیہ کھائے گا اور صدقہ نہیں کھائے گا۔ اُس کے دونوں کاندھوں کے درمیان مہرنبوت ہوگی۔ اگر تم سے ہوسکے تو اُس ملک میں جانا!

پھر وہ مرگیا اور اُسے دفنا دیا گیا۔ وہ کچھ دنوں تک ''عمّوریہ'' میں ٹھہرے رہے۔ ایک دن وہاں سے (کلب قبیلے کے) ایک تجارتی قافلے کا گذر ہوا۔ سلمان فارسی نے اُن لوگوں سے کہا: مجھے اپنے ساتھ ملک عرب لے چلئے۔ میں آپ حضرات کو اپنی گائے اور بکریاں دوں گا۔

اُن لوگوں نے کہا: ٹھیک ہے، چنانچہ سلمان فارسی نے اپنی گائیں اور بکریاں اُن کے حوالے کردیں اور وہ لوگ اُنھیں اپنے ساتھ لے کر چل پڑے۔ جب ''وادی قُریٰ'' میں پہنچے تو اُن لوگوں نے اُن کے ساتھ زیادتی کی اور اُنھیں ایک یہودی آدمی کے ہاتھ غلام بنا کر بیچ دیا۔ چنانچہ وہ اُس یہودی کے پاس رہنے لگے اور اُس کے کھجوروں کے باغ کی دیکھ ریکھ کرنے لگے۔ اُنھیں شک گذرتا تھا کہ یہ وہی شہر ہے جس کے بارے میں اُن کے ساتھی نے بتایا تھا، لیکن اُنھیں یقین نہ آتا تھا۔ اِسی اثنا میں اُس کا ایک چچازاد بھائی بنوقُریظہ سے مدینے آتا ہے تو وہ اُنہیں اُس کے ہاتھ بیچ دیتا ہے۔ پھر وہ اُنہیں لے کر مدینے آجاتا ہے۔ اُنھوں نے جب اُس شہر کو دیکھا تو اپنے ساتھی کے بیان کے مطابق اُسے پہچان لیا۔ وہ مدینے میں ہی ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا اور ایک مدت تک اُن کا قیام مکے میں رہا۔ وہ غلامی کی مصروفیت کی وجہ سے آپ کے بارے میں کچھ معلومات نہیں رکھتے تھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینے آ گئے۔

ایک دن وہ اپنے آقا کے کھجور کے درخت پر چڑھ کر کچھ کام کررہے تھے اور اُن کا آقا اُسی درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں اُس کا ایک چچازاد بھائی آکر وہاں ٹھہرتا ہے اور بولتا ہے کہ: اللہ بنوقَیلہ کو ہلاک کرے! اللہ کی قسم! اِس وقت وہ قُبا میں مکے سے آنے والے اُس آدمی کے پاس اکٹھا ہیں جو اپنے گمان میں ''نبی'' بنتا ہے۔

یہ سن کر سلمان فارسی کو بخار چڑھ گیا اور کپکپی طاری ہوگئی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ درخت سے نیچے اپنے آقا کے سر پر گر پڑیں گے۔ لھذا وہ درخت سے نیچے اتر آئے اور اُس چچازاد بھائی سے پوچھنے لگے: آپ ابھی کیا کہہ رہے تھے؟

اِس پر اُن کا آقا غضبناک ہوگیا اور اُنھیں ایک زبردست گھونسہ مارتے ہوئے بولا کہ تجھے اِن باتوں سے کیا لینا؟ جا اپنا کام کر!

اُنھوں نے کہا: میرا مطلب کچھ نہیں۔ میں تو اتنا چاہتا تھا کہ اُنھوں نے جو کچھ کہا ہے، اُس کی چھان بین کرلوں۔

اُس کے بعد، ایک دن وہ جو کچھ اُن کے پاس تھا اُسے اکٹھا کر کے شام کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے جو اُس وقت قُبا میں تشریف رکھتے تھے۔ وہ آپ کے پاس آکر کہتے ہیں: مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ایک نیک آدمی ہیں اور آپ کے ساتھ آپ کے کچھ ضرورتمند غریب ساتھی بھی ہیں۔ یہ میرے پاس کچھ صدقے کی چیزیں ہیں۔ میں آپ لوگوں سے زیادہ اِن چیزوں کا حقدار کسی دوسرے کو نہیں سمجھتا۔

یہ کہہ کر اُنھوں نے صدقے کا سامان آپ کی طرف بڑھایا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے کھانے کو کہا اور خود ہاتھ کھینچ لیا اور اُس میں سے کچھ نہیں کھایا۔

سلمان فارسی نے اپنے مَن میں کہا کہ یہ پہلی نشانی ہے۔ (کہ وہ نبی صدقے کا مال نہیں کھائے گا۔)

پھر وہ واپس آگئے اور کچھ چیزیں مزید اکٹھی کیں۔ اُس عرصے میں رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینے آگئے تھے۔ سلمان فارسی آپ کے پاس حاضر ہوکر کہتے ہیں کہ: میں نے دیکھا کہ آپ صدقے کا مال نہیں کھاتے، لھذا کچھ ہدیہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے اُس میں سے کھایا اور اپنے ساتھیوں کو بھی کھانے کا حکم کیا۔

سلمان فارسی نے اپنے من میں کہا کہ یہ دوسری نشانی ہے۔ (کہ وہ نبی ہدیے کا مال کھائے گا۔)

اُس کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنے ایک صحابی کے جنازے میں ''بقیع غرقد''
(مدینے والوں کا قبرستان) میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ تشریف رکھتے تھے کہ سلمان فارسی
چادر اوڑھے ہوئے آتے ہیں، آپ کو سلام عرض کرتے ہیں۔ وہ اِس چکر میں تھے کہ آپ کی
پشت پر موجود اُس مہر کو دیکھ لیں جس کے بارے میں اُن کے ساتھی نے بتایا تھا۔ جب رسول
اللہ ﷺ نے اُنھیں آگے پیچھے کرتے دیکھا تو سمجھ گئے کہ وہ کسی ثبوت کی تلاش میں ہیں، چنانچہ
آپ نے اپنی پشت سے چادر سرکا دی۔ سلمان فارسی، مہر دیکھ کر پہچان گئے، پھر اُنھوں نے
جھک کر اُسے چوم لیا اور رونے لگے۔

رسول اللہ ﷺ نے اُن سے کہا: آؤ!

تو وہ سامنے آپ کے آگے بیٹھ گئے، پھر اُنھوں نے اپنا سارا ماجرا کہہ سنایا۔

چونکہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اُس وقت تک ''غلام'' تھے اِس لئے جنگ
بدر اور جنگ اُحد میں شرکت نہ کر سکے۔ اُس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اُنھوں نے
اپنے آقا سے تین سو کھجوروں کے درخت لگانے اور چالیس اوقیہ سونے کی ادائیگی پر اپنی
آزادی کا معاملہ طے کیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے صحابہ نے مل جل کر تین سو
کھجوروں کے چھوٹے چھوٹے درختوں کا انتظام کیا جنھیں رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے
ہاتھوں سے لگایا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے چالیس اوقیہ سونے کا بھی انتظام کیا۔

اِس طرح سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو غلامی کی زندگی سے نجات ملی۔ آزادی کے
بعد وہ جنگ خندق میں شریک ہوئے، پھر کسی جنگ میں غیر حاضر نہ رہے۔[35]

یہ ہے حضرت سلمان فارسی کے اسلام کی طرف بڑھنے کا تفصیلی واقعہ۔ وہ مجوسی سے
عیسائی ہوئے او عیسائی سے مسلمان۔ وہ عیسائی عالموں کی رہنمائی میں پکّے مسلمان عیسائی تھے۔
عیسائیوں میں یہ بات مشہور تھی کہ ایک نبی آنے والا ہے۔ وہ اُس نبی کی شناخت کے لئے
طرح طرح کی نشانیاں بتاتے تھے۔ حضرت سلمان فارسی کو بھی کچھ نشانیاں معلوم تھیں،

---

[35] سیرۃ ابن ہشام: ۱/۲۵۱+۲۵۸

چنانچہ اُنھوں نے جب رسول اللہ ﷺ کی ذات میں اُن نشانیوں کو ملاحظہ کرلیا تو اُنھیں اسلام قبول کرنے میں کوئی تردُّد نہ رہا۔ وہ ایک سچے پکے ایماندار عیسائی تھے۔ اِس لئے مسلمان ہوکر اُنھوں نے حضرت عیسیٰ سے لئے گئے وعدے کو سچ کر دکھایا۔

اب تک جو لوگ مسلمان ہوتے آرہے تھے، اُن کے سر پر نہ تلوار لٹکی ہوئی تھی نہ اُن کی عزت و آبرو داؤ پر لگی ہوئی تھی، نہ اُنھیں روپے پیسے کا لالچ دلایا جارہا تھا اور نہ ہی کسی اور قسم کی اُن کے ساتھ مجبوری تھی۔

تلوار اگر اٹھی بھی تو ہجرت کے بعد۔ شروع شروع کچھ جھڑپیں ہوتی رہیں۔ پھر باضابطہ ۲ھ میں بڑے پیمانے پر جنگ بدر لڑی گئی، لیکن اُس کی حیثیت صرف ایک جنگ کی تھی۔ اِسے اسلام کی تبلیغ کا رنگ نہیں دیا گیا تھا، حالانکہ مسلمان اِس جنگ میں جیت چکے تھے پھر بھی اُنھوں نے زبردستی کسی ایک کو بھی تلوار چمکا کر مسلمان بننے پر مجبور نہیں کیا۔

جنگ بدر میں شریک ہونے والے تین سو تیرہ مسلمانوں میں سے کوئی ایک بھی تلوار کے زور پر مسلمان ہوا ہوتا تو وہ بدر کے میدان میں دھوکا دے جاتا اور کافروں کی صف میں گھس آتا، لیکن اُس میدان میں کسی ایک نے بھی ایسا نہیں کیا۔ گویا جتنے مسلمان تھے سب دل کے پورے اطمینان کے ساتھ مسلمان ہوئے تھے۔ وہ ذرہ برابر بھی کسی قسم کا اندرونی یا بیرونی دباؤ محسوس نہیں کررہے تھے۔ ورنہ جنگ بدر کے ہنگامی حالات سے وہ بھرپور فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ حالانکہ اُنھوں نے اسلام کو ایک سچا دین مان کر اِس طرح اپنے کلیجے سے لگا رکھا تھا کہ اُس کے وقار کی خاطر وہ سب مرنے مارنے پر تل گئے تھے۔ دباؤ میں رہنے والا انسان اِس قدر جوشیلا نہیں ہوسکتا تھا۔ وجہ کچھ اور تھی۔ وہ ایک سچ تھا۔ وہ کھری بات تھی جسے دنیا کی کسی کسوٹی پر بھی جانچا اور پرکھا جاسکتا تھا۔ سچ کو دوست رکھنے والا اور کھری کھری باتوں سے دلچسپی لینے والا بہرحال اسلام کی ماننے بغیر نہیں رہ سکتا۔

جنگ بدر کے بعد بھی اسلام پھلتا پھولتا رہا۔ لوگوں کے مسلمان ہونے کی تعداد دن بہ دن بڑھتی ہی جارہی تھی۔

حضرت ابوالعاص بن رَبیع رضی اللہ عنہ

اعلان نبوت سے پہلے حضرت ابوالعاص رسول اللہ ﷺ کے داماد تھے۔ اُن کا نکاح آپ کی صاحبزادی حضرت زینب سے ہوا تھا۔ ہجرت کے وقت بھی وہ مسلمان نہ ہوئے تھے، چنانچہ حضرت زینب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینے آ گئیں اور ابوالعاص مکے ہی میں مقیم رہے۔ اسلام نے اُن دونوں میں جدائی ڈال دی تھی۔ یہاں تک کہ فتح مکہ سے کچھ دن پہلے تجارت کی غرض سے وہ ملک شام نکل گئے۔ وہ ایک امانت دار آدمی تھے۔ قریش کے لوگ اپنی پونجی بھی اُن کو تجارت کے لئے دیا کرتے تھے، چنانچہ وہ تجارت سے فارغ ہوکر لوٹ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک فوجی دستے سے اُن کی مڈبھیڑ ہوگئی۔ فوجی دستے نے اُن کا سب کچھ لوٹ لیا اور اُنھیں جان بچا کر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ جب یہ فوجی دستہ لوٹا ہوا مال لے کر آیا؛ اُس وقت ابوالعاص رات کی تاریکی میں حضرت زینب کے پاس آ کر پناہ مانگتے ہیں تو وہ اپنی پناہ میں رکھ لیتی ہیں۔ وہ اپنا لوٹا ہوا مال واپس لینے کی غرض سے آئے ہوئے تھے۔

جب رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز کے لئے نکلے تو آپ نے ایک تکبیر بلند کی۔ لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ تکبیر بلند کی۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت زینب زنانخانے سے چیختی ہیں کہ: اے لوگو! میں نے ابوالعاص بن ربیع کو اپنی پناہ میں رکھا ہے۔

رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر پوچھا: کیا تم نے وہ آواز سنی جو میں نے سنی ہے؟

لوگوں نے بتایا: ہاں!

آپ نے فرمایا: اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ مجھے پہلے سے کچھ نہیں پتہ تھا۔ تم لوگوں نے جو کچھ سنا، میں نے بھی اُسے ابھی سنا ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ اپنی صاحبزادی کے پاس آ کر کہتے ہیں: بیٹی! اپنے گھر کی

عزت قائم رکھو۔ ابوالعاص تم سے ہرگز ملنے نہ پائے، کیونکہ تم اُس کے لئے حلال نہیں ہو۔

بعد میں رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ فوجی دستے نے ابوالعاص کے مال کو لوٹ لیا ہے تو آپ نے اُن لوگوں سے کہا: تمھیں پتہ ہے کہ وہ ہمارا آدمی ہے، پھر بھی تم لوگوں نے اُس کا مال لوٹ لیا۔ لٰهذا تم لوگ اگر بھلائی سے کام لو اور اُس کا مال اُسے واپس کر دو تو یقیناً ہم اِسے پسند کریں گے اور اگر انکار کرو گے تو وہ اللہ کا مال (غنیمت) ہے جسے میں تم لوگوں کے حوالے کرتا ہوں۔ لٰهذا تم لوگ اُس کے زیادہ مستحق ہو۔

لوگوں نے جواب دیا: یا رسول اللہ! بلکہ ہم اُسے لوٹا دیں گے۔

چنانچہ سبھوں نے اُن کا مال اُنھیں لوٹا دیا، یہاں تک کہ ڈول، چھوٹا پرانا مشکیزہ، چمڑے کا چھوٹا برتن اور چِری ہوئی لکڑی تک لوگوں نے لا لا کر اُنھیں واپس کر دی۔ اُن کا سارا مال اُنھیں لوٹا دیا گیا، کوئی ایک چیز بھی چھوٹی نہیں رہ گئی، پھر وہ سارا سامان ڈھو کر مکے لے گئے اور قریش میں جس کا جو سامان تھا اور جس کی جو پونجی تھی ہر ایک کو اُس کے حوالے کر دی۔

پھر اُنھوں نے کہا: اے قریش کے لوگو! کیا تم میں سے کسی کا کوئی سامان میرے پاس رہ گیا ہے جسے اُس نے نہ لیا ہو۔

لوگوں نے جواب دیا: نہیں! اللہ آپ کو بہتر بدلہ دے۔ ہم نے آپ کو عزت دار اور وعدہ وفا کرنے والا پایا ہے۔

اُنھوں نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد (ﷺ) اُس کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔ میں جب اُن کے پاس تھا تو اسلام قبول نہیں کیا، کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ کہیں تم لوگ یہ بدگمانی نہ کرو کہ میں تم لوگوں کا مال کھا جانا چاہتا ہوں، چنانچہ جب اللہ نے تمھارا مال تمھارے حوالے کروا دیا تو میں اسلام لے آیا۔

اُس کے بعد وہ وہاں سے نکل کھڑے ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئے۔[36]

---

[36] سیرۃ ابن ہشام: ۲/۲۶۹-۲۷۰

یہ ہے حضرت ابوالعاص بن ربیع کے مسلمان ہونے کی پوری کہانی۔

حضرت ابوالعاص رسول اللہ ﷺ کے داماد تھے۔اُنھیں اچھی طرح رسول اللہ ﷺ کی حیثیت کا پتہ تھا۔وہ آپ کے پاکیزہ اخلاق سے کچھ بے خبر بھی نہ تھے۔اِس کے باوجود اُنھوں نے آپ کے لئے اپنے پرانے مذہب کو چھوڑنا گوارانہ کیا۔اپنی بیوی سے جدا ہوجانا اُنھیں منظور تھا،لیکن مذہب کی محبت ہر چیز سے زیادہ اُن کے دل میں بسی ہوئی تھی۔مگر جب مسلمانوں کے فوجی دستے نے اُن کا مال لوٹ لیا۔وہ اپنا سارا مال اُس فوجی دستے کے آگے ڈال دینے پر مجبور تھے۔وہ بالکل بے بس تھے اور فوجی دستہ ہر طرح سے آزاد، بااختیار اور طاقتور،لیکن رسول اللہ ﷺ کے ایک اشارے پر اُسی دستے نے اُن کا سارا مال لاکر اُن کے قدموں میں ڈھیر کردیا۔معمولی سے معمولی چیز تک اُن کے حوالے کردی۔وہ جانتے تھے کہ محمد رسول اللہ ﷺ ایک بااخلاق انسان ہیں،لیکن شاید یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اِس درجہ بامروّت،شریف،مہربان اور اعلیٰ اخلاق والے ہیں۔اُن کا دماغ اِس رُخ پر تیزی سے دوڑنے لگا۔غالباً وہ راستے بھر اِسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے کہ جن مسلمانوں نے میرا سارا سامان لوٹ لیا تھا اُنھوں نے آخر کس جذبے سے لوٹا ہوا سامان واپس کردیا۔کیا رسول اللہ ﷺ کے دباؤ میں آکر؟ نہیں نہیں!! کیونکہ اُنھوں نے تو اپنے فوجی دستے کو اختیار دے رکھا تھا۔چاہے تو لوٹا دو چاہے تو روک لو۔وہ چاہتے تو میرا سارا مال اپنے پاس رکھ لیتے،مگر اُن کے رسول کے لئے پسندیدہ بات یہ تھی کہ لوٹا ہوا مال لَوٹا دیا جائے۔مسلمانوں نے اپنے رسول کی پسند کا اِس درجہ لحاظ رکھا اور لوٹا ہوا مال واپس کرنے میں ذرا بھی افسوس نہ ہوا۔وہ رسول کے دباؤ میں ہرگز نہ تھے، بلکہ وہ رسول کی شخصیت سے حد درجہ متأثر تھے۔اِسی لئے اُن کی پسند پر اپنی خواہشوں کو قربان کردیا۔

اِس درجہ متأثر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کوئی عام انسان نہیں۔

یہ لوگ اگر اُنھیں اللہ کا نبی مان رہے ہیں تو یقیناً یہ کسی نبی ہی کا اعلیٰ اخلاق معلوم پڑتا ہے۔بس اِسی زاویۂ فکر نے اُنھیں اسلام قبول کرنے کی تحریک کردی۔

حضرت عُمیر بن وَہُب رضی اللہ عنہ

حضرت عمیر بن وہب کے بیٹے وہب، بدر کی جنگ میں قیدی بنا لئے گئے تھے جس کا عمیر بن وہب کو صدمہ بھی تھا اور غصہ بھی۔ صفوان نام کا اُن کا ایک ساتھی تھا۔ ایک روز دونوں میں بات چیت ہو رہی تھی۔ عمیر بن وہب کہتے ہیں کہ: اللہ کی قسم! اگر میں مقروض نہ ہوتا اور اپنے بعد زمین جائداد کے سلسلے میں بال بچوں کا ڈر نہ ہوتا تو ابھی جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیتا، چونکہ میرا بیٹا اُن کے ہاتھوں میں قید ہے، اِس لئے میرے لئے اُس کا ایک جواز بھی موجود ہے۔

صفوان نے اِس موقعے کو غنیمت جان کر کہا: تمھارا قرض میں ادا کر دیتا ہوں۔ تمھارے بال بچے میرے بال بچوں کے ساتھ رہیں گے۔ جب تک وہ رہیں گے میں اُن کی مدد کرتا رہوں گا۔ میری طرف سے کوئی ایسی بات نہیں ہوگی جس سے وہ عاجز آ جائیں۔

عمیر نے کہا: اگر ایسی بات ہے تو اِسے راز میں رکھنا۔

اُس کے بعد عمیر نے تلوار لی، اُس کی دھار کو تیز کیا اور اُسے زہر میں بجھایا، پھر نکل کھڑے ہوئے اور مدینے آ گئے۔ اُس وقت حضرت عمر مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھ کر جنگ بدر کے بارے میں بات چیت کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کو بڑی عزت دی اور دشمنوں کو منہ کی کھانی پڑی۔ اتنے میں حضرت عمر کی نظر عمیر پر پڑی جو تلوار لٹکائے ہوئے مسجد کے دروازے پر آ دھمکے تھے۔ حضرت عمر نے اُنھیں دیکھتے ہی کہا: یہ کتا، اللہ کا دشمن، عمیر بن وہب بخدا کسی برائی ہی کی غرض سے آیا ہے۔ یہی شخص ہم لوگوں کے خلاف کافروں کو اُکساتا تھا اور اِسی نے جنگ بدر کے دن ہماری تعدا کا اندازہ لگا کر کافروں کو بتایا تھا۔

پھر حضرت عمر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے ہیں اور عرض کرتے ہیں: اے اللہ کے نبی! یہ اللہ کا دشمن عمیر بن وہب تلوار لٹکائے آیا ہوا ہے۔

آپ نے فرمایا: اُسے میرے پاس لے آؤ!

عمر آئے اور گردن میں لٹکی ہوئی تلوار کی پٹی پکڑی اور اُسی کے ساتھ گریبان پکڑ کر کھینچا اور اپنے ساتھ موجود انصار حضرات کو کہا کہ: اِسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے چل کر بٹھاؤ، لیکن اِس خبیث سے بچ کر رہنا، کیونکہ اِس کا اعتبار نہیں۔

پھر وہ اُنھیں لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ عمر اُن کی تلوار کی پٹی گردن کے ساتھ کھینچ کر لا رہے ہیں تو آپ نے کہا: عمر چھوڑ دو! اے عمیر قریب آؤ!

اُنھوں نے قریب آ کر کہا: صبح بخیر ہو!......(یہ جاہلی لوگوں کا سلام تھا۔)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمیر! اللہ نے اِس سلام سے بہتر ہمیں سلام عطا کر کے عزت بخشی ہے جو جنتیوں کا سلام ہے۔

اُنھوں نے کہا: اللہ کی قسم! اے محمد! اگر میں وہاں ہوا تو یہ ایک نئی بات ہوگی۔

آپ نے پوچھا: اے عمیر! تمھارے آنے کا سبب کیا ہے؟

اُنھوں نے بتایا کہ میرا بیٹا آپ لوگوں کے ہاتھوں میں قید ہے، لھذا اُس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیئے۔

آپ نے کہا: تو پھر گردن میں تلوار لٹکا کر آنے کی کیا ضرورت تھی۔ اللہ تلوار کا برا کرے! کیا اُس نے تمھیں کچھ بھی بچایا؟ سچ سچ بتاؤ کس غرض سے آئے ہو؟

اُنھوں نے کہا: میں اُسی غرض سے آیا ہوں۔

آپ نے کہا:

> بلکہ تم اور صفوان بن امیہ مقامِ حجر میں بیٹھ کر جنگ بدر میں مارے ہوئے لوگوں کا تذکرہ کر رہے تھے تو تم نے گفتگو کے دوران کہا کہ: اگر میں مقروض نہ ہوتا اور میرے بال بچے نہ ہوتے تو میں جا کر محمد (ﷺ) کو قتل کر دیتا تو صفوان نے تمھارا قرض ادا کرنے اور

تمھارے بال بچوں کا خرچ برداشت کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی تا کہ تم اُس کے لئے مجھے قتل کر دو، حالانکہ تمھارے اور اُس کے بیچ اللہ بھی تھا۔

یہ سن کر عمیر نے کہا:

میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے پاس آسمان کی جو خبر اور وحی لائے تھے ہم اُنھیں جھٹلاتے تھے۔ ہم نے آپ کے قتل کی جو سازش رچی تھی؛ میرے اور صفوان کے درمیان تھی۔ اللہ کی قسم! میں اب جان گیا کہ آپ کو اللہ ہی نے یہ سب کچھ بتایا ہے۔ ساری حمد اُس اللہ کے لئے جس نے مجھے اسلام کی ہدایت دی اور میرے ساتھ یہ معاملہ کیا۔

پھر اُنھوں نے حق کی گواہی پیش کی۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ:

اپنے بھائی (عمیر) کو دین سکھاؤ۔ اُنھیں قرآن کی تعلیم دو اور اُن کے قیدی کو رہا کر دو۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، پھر اُنھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نورِ الٰہی بجھانے کی کوشش کرتا تھا۔ جو شخص دینِ الٰہی پر قائم رہتا، میں اُسے خوب ستاتا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ آپ اجازت دیں کہ میں مکے جاؤں اور لوگوں کو اللہ کی، اُس کے رسول کی اور اسلام کی دعوت دوں۔ امید ہے کہ اللہ اُنھیں ہدایت نصیب کرے ورنہ میں اُن لوگوں کو اُن کے دین کے سلسلے میں اُسی طرح اذیت پہنچاؤں جس طرح میں آپ کے ساتھیوں کو اُن کے دین کے سلسلے میں اذیت پہنچایا کرتا تھا۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے وہ مکے آگئے۔

اُس دوران صفوان بن اُمیہ کہا کرتا تھا کہ لوگو! تمھیں اُس واقعے کی خوشخبری ہو جو

عنقریب چند دنوں میں پیش آنے والا ہے۔ جو تمھیں بدر کے حادثے کو بھلا دے گا۔

صفوان ہر آنے والے سوار سے عمیر کے بارے پوچھتا رہتا تھا، یہاں تک کہ ایک دن ایک سوار نے اسے بتایا کہ عمیر مسلمان ہو گئے ہیں تو اُس نے قسم کھائی کہ میں کبھی اُس سے بات نہ کروں گا اور نہ کبھی اُسے کچھ فائدہ پہنچاؤں گا۔

عمیر جب مکے آئے تو وہاں رہ کر اسلام کی دعوت شروع کی اور جو اُن کی مخالفت کرتا، وہ اُسے سخت اذیت پہنچاتے۔ اِس طرح بہت سے لوگ اُن کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ [37]

جو آدمی رسول کا جانی دشمن تھا، وہ بالکل اچانک حیرت انگیز طور پر مسلمان کیوں ہو گیا؟

حضرت عمیر، محمد ﷺ کی نبوت کو جھوٹ مانتے تھے۔ اُنھیں یہ بات تسلیم ہی نہ تھی کہ آپ کے پاس آسمان سے اللہ کی وحی آتی ہے۔ جھوٹا نبی سمجھ کر وہ آپ کی جان کے دشمن ہو گئے۔ دشمنی کی بنیاد اِس بات پر تھی کہ اُنھیں رسول اللہ ﷺ کے دعوے کی سچائی پر کوئی دلیل نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ لوگوں کی سنی سنائی باتوں پر اعتماد نہیں کر پا رہے تھے، لیکن جب اُنھیں خود ذاتی تجربہ ہو گیا اور واضح طور پر اُنھوں نے دیکھ لیا کہ محمد ﷺ کو ڈھکی چھپی بتانے والا کوئی ضرور ہے۔ ہم نے جو کچھ سازش کی تھی وہ ہمارے اور صفوان کے درمیان تھی، تیسرا اگر کوئی تھا تو وہ اللہ تھا۔ پھر اُنھیں ہماری سازشوں کا پتہ کیسے چل گیا؟ کیا اللہ نے اُنھیں سب کچھ بتا دیا تھا؟ اللہ کے سوا جانتا بھی کون تھا جو بتاتا؟ کیا اُن کا اللہ سے اِس پیمانے پر رابطہ رہتا ہے؟ اگر یہ سچ ہے تو پھر یہ بھی سچ ہے کہ اُن کے پاس ضرور آسمان سے وحی آتی ہے۔ حیرت انگیز انکشاف کے اِس ذاتی تجربے نے اُنھیں اسلام کی دولت سے مالا مال کر دیا۔

[37] سیرۃ ابن ہشام: ۲/۲۷۲:۲-۲۷۳-۲۷۴

حضرت عَمرُوؒ بن عاص رضی اللہ عنہ

عمرو بن عاص کسی دشمن کی طرح اسلام سے کٹے کٹے رہتے۔ وہ مشرکوں کے ساتھ جنگ بدر میں لڑنے گئے اور بچ کر نکل آئے، پھر جنگ اُحد میں گئے اور بچ کر نکل آئے۔ جنگ خندق میں گئے اور بچ کر نکل آئے۔ اُنھوں نے اپنے جی میں سوچا کہ میں یوں ہی کب تک بھاگتا پھروں گا۔ اللہ کی قسم! محمد ضرور قریش پر غالب آئیں گے، لھٰذا وہ اپنا ساز و سامان لے کر لوگوں سے دور ''مقامِ رَہط'' میں چلے گئے۔ نہ وہ حدیبیہ میں حاضر ہوئے اور نہ صُلح حدیبیہ میں شریک رہے۔ صُلح کے بعد رسول اللہ ﷺ واپس چلے گئے اور قریش بھی مکہ لوٹ آئے۔ وہ کہہ رہے تھے:

محمد (ﷺ) ایک نہ ایک دن اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکے آئیں گے۔ لھٰذا نہ مکے میں ٹھہرنا مناسب ہے اور نہ طائف میں، یہاں سے بھاگ نکلنے میں بھلائی ہے۔

وہ اسلام سے دور ہوتے رہے۔ اُن کا خیال تھا کہ اگر پورا قریش مسلمان ہو جائے گا، پھر بھی میں اسلام قبول نہ کروں گا۔

چنانچہ وہ مکے آئے اور اپنی قوم کے چند افراد کو اکٹھا کیا جو اُن کی رائے کو اہمیت دیتے تھے اور اُن کی بات مانتے تھے اور معاملہ پڑنے پر اُنہی کو آگے بڑھاتے تھے۔ اُنھوں نے اُن لوگوں سے کہا کہ: تم لوگوں کے درمیان میری کیا حیثیت ہے؟

لوگوں نے جواب دیا: آپ ہمارے لیڈر ہیں، آپ صاحبِ رائے ہیں، آپ کی ذات مبارک اور آپ کا کام برکتوں والا۔

اُنھوں نے کہا: جیسا کہ تم لوگوں کو پتہ ہے۔ اللہ کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ محمد (ﷺ) کا معاملہ ناپسندیدگی کی حد تک آگے بڑھتا جا رہا ہے، لھٰذا میں نے ایک رائے سوچی ہے۔

لوگوں نے پوچھا: وہ کیا؟

اُنھوں نے کہا: ہم نجاشی بادشاہ سے مل کر وہیں رہتے ہیں۔ اگر محمد (ﷺ) یہاں غالب آ گئے تو ہم تو نجاشی کے پاس رہیں گے۔ محمد (ﷺ) کا ماتحت رہنے سے زیادہ اچھا ہے کہ ہم نجاشی کے ماتحت بن کر رہیں اور اگر قریش غالب آ گئے تو وہ تو ہم لوگوں کو پہچانتے ہی ہیں۔

سبھوں نے کہا: یہ رائے ٹھیک ہے۔

اُنھوں نے کہا: نجاشی کو ہدیہ پیش کرنے کا کچھ سامان اکٹھا کرو۔ اُسے ہدیہ پیش کرنے کو ہمارے ملک کا ''چمڑہ'' زیادہ بہتر رہے گا۔

لھٰذا اُن لوگوں نے ڈھیر سارا چمڑہ جمع کیا، پھر وہ لوگ نکل پڑے اور نجاشی کے پاس آئے۔ جیسے ہی وہ لوگ وہاں پہنچے؛ حضرت عمرو بن اُمیّہ ضمری رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کا خط لے کر حاضر ہو گئے۔ جس میں آپ نے اُمّ حبیبہ بنت ابوسفیان سے نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی، پھر کچھ دیر کے بعد وہ باہر آ گئے۔ عمرو بن عاص نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اگر میں نجاشی کے پاس پہنچا تو اُس سے کہوں گا کہ وہ عمرو بن اُمیہ کو میرے حوالے کر دے۔ اگر وہ حوالے کر دیتا ہے تو میں اُس کی گردن اڑا دوں گا۔ قریش اِس خبر کو سن کر خوش ہوں گے کہ محمد (ﷺ) کے قاصد کو قتل کر کے میں نے اُن کا کام انجام دیا ہے، چنانچہ عمرو بن عاص نے نجاشی کے دربار میں حاضر ہو کر اُسے سجدہ کیا جیسا کہ وہ بتوں کو سجدے کرتے تھے۔

نجاشی نے کہا: میرے دوست کو مبارکباد ہو! اپنے ملک سے میرے لئے کچھ تحفہ بھی لائے ہو؟

عمرو بن عاص نے کہا: ہاں اے بادشاہ! میں آپ کے لئے ڈھیر سارا چمڑہ لایا ہوں۔

پھر اُنھوں نے نجاشی کی طرف اُسے بڑھا دیا جسے اُس نے پسند کیا۔ نجاشی نے اُس میں سے تھوڑا تھوڑا اپنے جرنیلوں کو بھی تقسیم کیا۔ باقی سب کو ایک جگہ محفوظ کر دینے کا

حکم دیا۔ عمرو بن عاص نے نجاشی کا خوشگوار موڈ دیکھ کر کہا: اے بادشاہ! میں نے ابھی آپ کے دربار سے ایک آدمی کو جاتے دیکھا ہے۔ وہ ایک ایسے شخص کا قاصد ہے جو ہمارا دشمن ہے جس نے ہمیں ستایا اور ہمارے معزز اور بہتر لوگوں کو قتل کروایا ہے، لھٰذا آپ اُس قاصد کو میرے حوالے کر دیں تا کہ میں اُسے قتل کر دوں۔

اتنا سنتے ہی نجاشی نے ہاتھ اٹھا کر ایک گھونسہ اُن کی ناک پر رسید کیا جس سے اُن کی ناک ٹوٹ گئی اور نکسیر پھوٹ کر بہنے لگی اور اُن کا کپڑا خون میں لت پت ہو گیا۔ اُنھوں نے اُس وقت ایسی ذلت محسوس کی کہ کاش زمین پھٹ جاتی اور میں اُس میں سما جاتا!

عمرو بن عاص نے پھر کہا: اے بادشاہ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میرا سوال آپ کو پسند نہ آئے گا تو میں کبھی منہ نہ کھولتا۔

نجاشی نے کہا: اے عمرو! شرم کرو۔ تم نے مجھ سے اللہ کے اُس رسول کے قاصد کو حوالے کرنے کا سوال کیا تھا جس کے پاس وہی ناموس اکبر آتا ہے جو موسیٰ اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کے پاس آتا تھا، تا کہ تم اسے قتل کر سکو؟

اللہ نے عمرو بن عاص کے دل کی دنیا بدل دی۔ اُنھوں نے اپنے جی میں کہا: ''اِس حق کو عرب و عجم مان رہا ہے اور تو اُس کی مخالفت کر رہا ہے''۔

عمرو بن عاص نے نجاشی سے پوچھا: کیا آپ اِس کی گواہی دیتے ہیں؟

نجاشی نے کہا: ہاں! میں اللہ کی بارگاہ میں اِس کی گواہی دیتا ہوں عمرو! لھٰذا تم میری بات پر اُن کی پیروی اختیار کرلو۔ اللہ کی قسم! بلاشبہ وہ حق پر ہیں۔ وہ ہر مخالف دین پر غالب آ کر رہے گا جیسا کہ موسیٰ، فرعون اور اُس کے لشکر پر غالب ہوئے۔

عمرو بن عاص نے پوچھا: کیا آپ اسلام پر مجھ سے بیعت لیں گے؟

بادشاہ نے کہا: ہاں! اور اپنا ہاتھ پھیلا دیا۔

اُنھوں نے بادشاہ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی۔ بادشاہ نے طشت منگا کر اُن کے خون کے چھینٹوں کو دُھویا اور پوشاک پہنائی۔ اُن کا کپڑا خون میں لت پت ہو چکا تھا،

لھٰذا اُنھوں نے اُسے اُتار دیا، پھر وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آئے۔ جب ساتھیوں نے اُنھیں بادشاہ کی پوشاک پہنے ہوئے دیکھا تو خوش ہو کر بولے: کیا آپ کی مراد بر آئی؟

عمرو بن عاص نے پہلے ہی مرحلے میں سب کچھ بتا دینا مناسب نہیں سمجھا، اِس لئے کہا کہ میں بادشاہ کے پاس دوبارہ جاؤں گا۔

اُن لوگوں نے کہا: جیسی آپ کی رائے ہو۔

پھر اُنھوں نے اپنے ساتھیوں کو یہ ظاہر کرتے ہوئے چھوڑ دیا کہ وہ کسی ضرورت سے کہیں جا رہے ہیں۔ وہ ساحل پر آئے۔ دیکھا کہ ایک بھری ہوئی کشتی جا رہی ہے۔ وہ بھی اُس پر سوار ہو جاتے ہیں۔ کشتی مقام ''شعبہ'' تک آ کر رک گئی۔ وہ کشتی سے اترے۔ اُن کے پاس جو روپے پیسے تھے، اُس سے ایک اونٹ خریدا اور مدینے کی طرف چل پڑے، یہاں تک کہ وہ مقام ''مَرُّ الظَّہران'' تک پہنچے، پھر وہاں سے روانہ ہوئے تو مقام ''ھَدّہ'' تک آئے۔ اچانک وہاں دو آدمی دکھائی پڑے جن کے پاس زیادہ سر و سامان نہ تھا۔ وہ دونوں اپنی منزل کی طرف روانہ ہونے کی تیاری کر رہے تھے۔ ایک خیمے میں داخل ہوا دوسرا سواریوں کو تھامے ہوئے تھا۔ اُنھوں نے غور سے دیکھا تو وہ دوسرے شخص خالد بن ولید تھے۔

اُنھوں نے پوچھا: کہاں جانے کا ارادہ ہے؟

خالد بن ولید نے جواب دیا: محمد کے پاس۔ لوگ اسلام میں داخل ہوتے جا رہے ہیں، کوئی ایسا نہیں رہ گیا جس کے پاس کچھ طاقت ہو۔ اللہ کی قسم! اگر ہم کچھ دنوں اور رُکے رہتے تو ہماری گردنیں اُسی طرح پکڑ لی جاتیں جس طرح بِجُّو کی گردن بل کے اندر سے پکڑ لی جاتی ہے۔

اُنھوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں بھی محمد (ﷺ) کے پاس جا رہا ہوں۔ میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔

یہ سن کر عثمان بن طلحہ نکلے اور اُنھیں مبارکباد پیش کی۔ اِس طرح اُن تینوں کی منزل ایک قرار پائی۔

پھر وہ تینوں اکٹھا مدینے آ گئے۔ اُن لوگوں نے ''بئرِ اَبو عتبہ'' کے پاس ایک شخص کو ''یارَباح یارَباح'' (آہا! فائدہ ہی فائدہ) کا نعرہ لگاتے ہوئے دیکھا۔ وہ لوگ اُس کے نعرے سے خوش ہوئے اور اُسے نیک فال سمجھا، پھر وہ اُنھیں دیکھ کر عمرو بن عاص اور خالد بن ولید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا: اِن دونوں کے مکے سے آنے کے بعد، مکے نے اپنی باگ ڈور ہمارے حوالے کر دی ہے۔

پھر وہ تیزی سے مسجد کی طرف بھاگا۔ عمرو بن عاص نے سمجھ لیا کہ وہ ہمارے آنے کی خوشخبری سنانے رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا ہوا ہے، چنانچہ اُنھوں نے جیسا سمجھا تھا ویسا ہی ہوا۔ اُنھوں نے مقامِ ''حَرّہ'' میں رُک کر صاف ستھرے کپڑے پہنے۔ عصر کی نماز کا وقت تھا۔ وہ لوگ اکٹھا رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ آپ کا چہرہ خوشی سے کِھل رہا تھا۔ سارے مسلمان اُن کے اسلام لانے سے خوش ہو رہے تھے۔ خالد بن ولید آگے بڑھے اور آپ سے بیعت کی۔ پھر عثمان بن طلحہ آئے اور بیعت کی، پھر عمرو بن عاص آگے بڑھے۔ وہ آپ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ شرم کے مارے رسول اللہ ﷺ کی طرف آنکھ نہیں اٹھا رہے تھے۔ اُنھوں نے یہ کہہ کر آپ سے بیعت کی کہ میرے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں اور (اسلام قبول کرنے میں) تاخیر کرنے پر میری گرفت نہ ہو۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

''بے شک اسلام پہلے کی تمام باتوں کو دفن کر دیتا ہے اور ہجرت پہلے کی تمام باتوں کو پاٹ دیتی ہے''۔[38]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اسلام سے اِس قدر دشمنی تھی کہ وہ مسلمان ہونے کے تصور ہی سے ذلت محسوس کرتے تھے۔ اُنھیں اپنا وطن چھوڑ دینا منظور تھا، مگر محمد رسول اللہ ﷺ کی ماتحتی قبول کرنا گوارہ نہ تھا۔ اسلام کی نفرت آگ بن کر اُن کے سینے میں سلگ رہی تھی۔ اِس آگ میں اُنھوں نے اپنے رشتے ناطے اور وطن عزیز تک کو جھونک دیا۔

---

[38] کتاب المغازی: ۲/۷۴۱+۷۴۵

حبشہ جا کر نجاشی بادشاہ کے سائے میں پناہ لی، مگر یہاں آ کر اُن کی کایا پلٹ ہوگئی۔ نجاشی کے بپھرے ہوئے ایک مکّے سے اُن کی آنکھ کی پٹی کھل گئی۔ اُن کے دماغ میں ایک جھماکے دار روشنی پھوٹی اور وہ سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ جس چیز سے میں نفرت کرتا آ رہا تھا، اُس نے یہاں بھی میرا پیچھا نہ چھوڑا۔ جس حق کا میں منکر تھا، رفتہ رفتہ عرب و عجم مانتا چلا جا رہا ہے ۔میں ایک عام آدمی ہو کر محمد رسول اللہ ﷺ کی ماتحتی کو اپنے لئے ذلت سمجھ رہا ہوں اور یہ ملک کا معزز بادشاہ اُن کی اطاعت کے آگے گردن جھکائے کھڑا ہے۔ دل و دماغ میں ایک انقلاب آیا۔ اسلام کا نور اُن کے اندر جگمگانے لگا۔ نفرت محبت میں تبدیل ہوگئی۔ ذلت اُن کے لئے باعث فخر ہوگئی۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی شخصیت اب اُن کے لئے ایسی پر کشش ہوگئی تھی کہ وہ لمحہ بھر کی تاخیر کئے بغیر مدینے روانہ ہو جانا چاہتے تھے، چنانچہ وہ اپنے ساتھیوں سے دامن چھڑا کر مدینے آ گئے اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام کے لئے بِک گئے۔

یہ ایک ذہنی انقلاب تھا۔ فکر و نظر کا زاویہ بدلا اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تمام جنگوں میں رسول اللہ ﷺ کے خلاف لڑتے آ رہے تھے، یہاں تک کہ حدیبیہ کے میدان میں بھی وہ مشرکوں کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ ''مقام عُسفان'' میں اُن کی مڈبھیڑ رسول اللہ ﷺ اور اُن کے ساتھیوں سے ہوئی۔ وہ آپ کے مقابل آئے اور کچھ چھیڑ خانی کرنی چاہی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو بڑے آرام کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھائی۔ خالد بن ولید اور اُن کے ساتھیوں نے عین اُسی حالت میں آپ پر حملہ کرنا چاہا، لیکن ہمت نہ ہو سکی۔ رسول اللہ ﷺ کو اُن لوگوں کی نیت کا پتہ چل گیا، چنانچہ آپ نے نماز عصر کو ''صلوٰۃ الخوف'' کی شکل میں پڑھائی۔ خالد بن ولید نے سوچا کہ اُس شخص کو ہم پا نہیں سکتے، چنانچہ اُن لوگوں نے اپنے گھوڑوں کا رُخ پھیر کر داہنی راہ اختیار کی اور اِدھر اُدھر نکل گئے۔

صلح حدیبیہ کے بعد جب قریش نے شام کے وقت آپ کو رخصت کیا تو خالد بن ولید نے اپنے جی میں سوچا..........

اب کیا چیز رہ گئی؟

میں کہاں جاؤں، نجاشی کے پاس؟

اُس نے تو محمد ﷺ کی پیروی کر لی ہے اور اُن کے ساتھی اُس کے پاس محفوظ ہیں۔

ہرقل کے پاس جاؤں؟

میں اپنا دین چھوڑ کر عیسائی یا یہودی ہو جاؤں؟

میں عجم میں تابع بن کر رہوں یا اپنے گھر میں بچے کھچے لوگوں کے ساتھ رہوں؟......

وہ اسی اُدھیڑ بُن میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ عمرہ کے ارادے سے مکے میں داخل ہوئے۔ اُن کے بھائی ولید بن ولید بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عمرہ کے ارادے سے آئے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے خالد کو تلاش کیا، مگر وہ نہ ملے تو خالد کے نام ایک خط

لکھا جس میں تحریر تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اما بعد

تمھارے اسلام قبول نہ کرنے سے زیادہ تعجب خیز بات میں نے نہیں دیکھی، حالانکہ تم پختہ عقل کے آدمی ہو۔ اسلام جیسی چیز سے کوئی جاہل رہ سکتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے تمھارے بارے میں دریافت کیا تھا: خالد کہاں ہے؟ میں نے جواب دیا: اللہ اُسے لے آئے گا۔ آپ نے فرمایا: اُس جیسا آدمی اسلام سے جاہل ہے؟ اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑے بھڑے اور دشمنوں کو روکے تو یہ اُس کے لئے زیادہ بہتر تھا۔ ہم اُسے دوسروں سے آگے رکھتے۔

لھٰذا اے بھائی! جو اچھے موقعے تم سے چھوٹے جا رہے ہیں اُنھیں حاصل کرو۔

خالد بن ولید اپنے بھائی کا خط پڑھ کر ملنے کے لئے تیار ہوگئے۔ اسلام سے اُنھیں دلچسپی پیدا ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ کی گفتگو سن کر اُنھیں خوشی حاصل ہوئی۔ اِس سے پہلے اُنھوں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ وہ کسی تنگ ملک میں ہیں جہاں سوکھا پڑا ہوا ہے، پھر وہ وہاں سے کسی کشادہ اور سرسبز شہر میں پہنچ گئے۔

خالد بن ولید نے جب رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے کا ارادہ کیا تو سوچا کہ کس کو میں اپنے ساتھ لے چلوں؟ وہ صفوان بن اُمیہ سے ملے (جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) اور اُن سے کہا کہ: اے ابووہب! کیا تم ہمارا حال نہیں دیکھتے؟ ہم تو مٹھی بھر رہ گئے ہیں۔ محمد (ﷺ) عرب و عجم پر چھا چکے ہیں۔ اگر ہم محمد (ﷺ) کے پاس جا کر اُن کی پیروی کر لیتے تو اُن کی عزت ہماری عزت ہوتی۔

مگر صفوان نے بالکل ہی انکار کر دیا اور کہا کہ: اگر میرے علاوہ قریش کا ایک آدمی نہ بچے، پھر بھی میں کبھی اُن کی پیروی نہیں کروں گا۔

خالد بن ولید چلے آئے۔ اُنھوں نے سوچا کہ یہ ایک دُکھی انسان ہے جو انتقام لینا چاہتا ہے، کیونکہ جنگ بدر میں اُس کے باپ اور بھائی قتل ہو چکے ہیں۔

پھر وہ عکرِمہ بن ابوجہل سے ملے (جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔)۔ اُن سے بھی وہی بات کہی جو صفوان سے کہی تھی۔ عکرمہ نے بھی وہی جواب دیا جو صفوان نے دیا تھا۔ خالد بن ولید نے اُس سے راز داری کا وعدہ لے لیا اور وہاں سے چلتے بنے، پھر اپنے گھر آئے۔ سواری سنبھالی اور عثمان بن طلحہ سے ملاقات کے لئے چل پڑے۔ اُنھوں نے سوچا کہ......

وہ میرا دوست ہے۔ میں اُس سے اپنی بات کہہ کر دیکھوں! پھر سوچا کہ کہیں اُس کے باپ دادا میں سے کوئی قتل تو نہیں ہوا ہے، پھر اُنھوں نے اُس سوچ کو اپنے ذہن سے نکال دیا۔ اُنھوں نے اپنے جی میں کہا کہ اب مجھے کیا؟ میں تو بس جانے کے لئے تیار ہوں (چاہے کوئی ساتھ دے یا نہ دے۔) چنانچہ اُنھوں نے عثمان بن طلحہ کے سامنے اپنا معاملہ پیش کرتے ہوئے کہا: ہم لوگ اُس لومڑی کی حیثیت میں آ چکے ہیں کہ جس کی بِل میں چند ڈول پانی ڈالے جائیں تو وہ بِل سے نکل پڑے (اور پکڑی جائے۔)

اُنھوں نے پھر عثمان سے بھی وہی بات کہی جو صفوان اور عکرمہ سے کہہ آئے تھے۔ اُنھوں نے خالد بن ولید کی بات فوراً ہی مان لی اور کہا کہ: آپ آج نکل پڑے ہیں، میں بھی نکلنے ہی والا تھا۔ میری سواری بھی ''مقامِ فج'' میں کھڑی ہوئی ہے، پھر اُنھوں نے ''مقامِ یاجِج''میں ملنے کا وعدہ کیا کہ اگر وہ پہلے پہنچ گئے تو میرا انتظار کریں اور اگر میں پہلے پہنچا تو اُن کا انتظار کروں گا۔ چنانچہ وہ دونوں ہی صبح تڑکے گھروں سے نکل پڑے اور 'یاجِج '

میں آ کر ملے، پھر وہاں سے ’ھدّہ‘ آ گئے جہاں عمرو بن عاص سے ملاقات ہوئی۔ اُنھوں نے آپس میں ایک دوسرے کو مبارکباد پیش کی۔

عمرو بن عاص نے پوچھا: کہاں کا سفر ہے؟

اُنھوں نے بھی سوال کر دیا کہ آپ کیوں سفر میں نکلے ہیں؟

عمرو بن عاص نے بھی پوچھ لیا کہ آپ کیوں سفر میں نکلے ہیں؟

اُنھوں نے جواب دیا: اسلام میں داخل ہونے اور محمد ﷺ کی پیروی کرنے کے لئے۔

عمرو بن عاص نے کہا: اِسی لئے تو میں بھی نکلا ہوں۔

پھر وہ لوگ اکٹھے مدینے کی طرف بڑھے اور ’’حرّہ‘‘ میں آ کر ٹھہر گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو اُن کے آنے کی خبر ملی تو خوشی ظاہر کی۔ وہ لوگ وہاں سے صاف ستھرے کپڑے تبدیل کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ راستے میں خالد بن ولید کی اپنے بھائی سے ملاقات ہوئی تو اُنھوں نے کہا: جلدی جاؤ! رسول اللہ ﷺ آپ کے آنے کی خبر پا کر خوش ہیں اور آپ لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں۔

خالد بن ولید تیز قدموں بڑھے اور آپ کے سامنے آ گئے۔ جب تک وہ آپ کے پاس پہنچ نہ گئے آپ اُنھیں دیکھ کر برابر مسکراتے رہے۔ اُنھوں نے آپ کو سلام کیا اور آپ نے خندہ پیشانی کے ساتھ جواب دیا۔

اُنھوں نے کہا: بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

آپ نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ جس نے تمھیں ہدایت دی۔ مجھے تمھاری عقل سے یہی امید تھی کہ وہ تمھیں بھلائی ہی کے حوالے کرے گی۔

اُنھوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے بارہا دیکھا ہے کہ میں کس طرح جنگوں میں حق کا دشمن بن کر آتا تھا۔ آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ میری اِن حرکتوں کو معاف

فرمادے!

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اسلام گذری ہوئی تمام باتوں کو دفن کر دیتا ہے''۔

اُنھوں نے کہا: یارسول اللہ! پھر بھی دعا کر دیجے!

آپ نے دعا فرمائی:

''اے اللہ! خالد کی ہر اُس حرکت کو معاف کر دے جو وہ تیری راہ میں روڑے اٹکاتا تھا''۔

اُس کے بعد عمرو اور عثمان بھی آگے بڑھے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے۔[39]

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، اسلام لانے کی اِس طویل داستان میں کہیں بھی مجبور نظر نہیں آتے۔ وہ ایک لمبے عرصے تک اسلام کے خلاف لڑتے رہے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے رہے۔ جنگ اُحد میں اُنہی کی چال سے مسلمانوں کو بڑا جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے دندانِ مبارک بھی شہید ہو گئے۔

حضرت خالد بن ولید چاہے جتنے بھی بہادر رہے ہوں اور کتنا ہی بڑا لشکر اُن کے پاس رہا ہو، لیکن اُنھوں نے اچھی طرح محسوس کر لیا تھا کہ ہر جنگ میں وہ شکست کھا کر لوٹتے تھے۔ مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ طاقت رکھنے کے باوجود ناکامی کا منہ دیکھنا پڑ رہا تھا۔ ایک طرف تو جنگ ہار رہے تھے۔ دوسری طرف اُن کی تعداد بھی گھٹتی جا رہی تھی۔ اُنہی میں سے لوگ کٹ کٹ کر مسلمان ہوتے جا رہے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقعے پر تو وہ بالکل مایوس ہو گئے تھے۔ اُنھیں مکے کا مستقبل تاریک نظر آ رہا تھا۔ وہ اپنے تجربے کی روشنی میں صاف دیکھ رہے تھے کہ بہت جلد محمد ﷺ مکے کو اپنی مٹھی میں کر لیں گے۔ وہ ایک دانشمند انسان تھے۔ اِس مسئلے پر بڑی سنجیدگی سے غور کر رہے تھے کہ کیا کریں اور کہاں جائیں؟ یہاں سے قریب نجاشی کا ملک ہے، مگر وہ تو خود محمد ﷺ کا پیروکار ہے؟ ہرقل باشاہ کی حکومت

---

[39] کتاب المغازی: ۲/۷۴۶+۷۴۷

میں زندگی کے دن گذارے جائیں ؟اِن حکومتوں کے ماتحت عجم میں رہا جائے یا اپنے گھر میں آزادی کے ساتھ ؟ مگر یہاں کی آزادی تو بہت جلد چھننے والی ہے ۔وہ سوچتے سوچتے اِس نقطے پر پہنچ رہے تھے کہ عجم میں کسی دوسری حکومت کی ماتحتی میں رہنے سے بہتر ہے اپنے ہی وطن میں محمدﷺ کی ماتحتی میں رہا جائے ۔آخر کیا کیا جائے ؟ بہر حال وہ کسی نتیجے تک نہ پہنچ سکے تھے کہ اُنھیں رسول اللہﷺ کا ایک خط ملا جس میں اُنھیں اسلام کی دعوت دی گئی تھی اور اُن کی دانشمندی کو اپیل کی گئی تھی ۔ خط پڑھتے ہی جیسے اُن کی ساری مشکلیں آسان ہوگئیں۔شاید وہ ڈر رہے تھے کہ محمدﷺ مکے پر حملہ آور ہوگئے تو ہمارا کیا بنے گا؟ سر چھپانے ہم کہاں جائیں گے؟ یا پھر زندگی بھر مسلمان بن کر رہیں؟ لیکن یہ جان کر اُن کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہ رہا کہ محمدﷺ کے سینے میں ایک دردمند دل دھڑک رہا ہے۔وہ لوگوں کی جان کے دشمن نہیں ہیں اور نہ اپنا سکہ جمانے کے لئے یہ سارے جتن کر رہے ہیں ۔وہ حق کے داعی ہیں اور اُس حق کے آگے ساری گردنوں کو جھکا دینا چاہتے ہیں۔وہ توحید کے علمبردار ہیں۔دنیا کو شرک کی لعنت سے چھڑانا چاہتے ہیں۔

اب حضرت خالد بن ولید کے سوچنے کا انداز بالکل بدل چکا تھا۔اُن کے دل میں اسلام کی جگہ نکل آئی تھی ۔وہ رسول اللہﷺ کی ملاقات کے لئے بے چین ہوا ٹھے اور ایک لمبا سفر طے کر کے مدینے آئے اور رسول اللہﷺ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئے۔

حضرت فُضالہ بن عُمَیر لَیثی رضی اللہ عنہ

فتح مکہ ۸ ھ کا سال تھا۔ نبی ﷺ خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ فضالہ بن عمیر لیثی نے ارادہ بنایا کہ آپ کو قتل کر دوں۔ اِس ارادے سے جب وہ آپ کے قریب پہنچے تو آپ نے کہا: کیا فضالہ ہیں؟

اُنھوں نے جواب دیا: ہاں! فضالہ ہوں یا رسول اللہ!

آپ نے پوچھا: تم اپنے دل میں کیا منصوبہ بنا رہے تھے؟

اُنھوں نے کہا: کچھ نہیں۔ میں تو اللہ کا ذکر کر رہا تھا۔

اُن کی بات سن کر آپ ہنس پڑے اور کہا کہ: اللہ سے مغفرت چاہو!

پھر آپ نے اپنا ہاتھ اُن کے سینے پر رکھ دیا جس سے اُن کے دل کو سکون مل گیا۔

فضالہ کہتے ہیں کہ:

''اللہ کی قسم! آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینے سے ہٹایا بھی نہ تھا کہ اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی چیز مجھے آپ سے زیادہ محبوب نہ رہی''۔

پھر وہ لوٹ کر اپنی بیوی کے پاس آ رہے تھے کہ راستے میں اُس عورت سے ملاقات ہوگئی جس سے وہ باتیں کیا کرتے تھے۔ اُس نے کہا: آؤ باتیں کریں!

اُنھوں نے جواب دیا: نہیں! اور یہ اشعار پڑھتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھ گئے:-

اُس نے کہا: آؤ باتیں کریں! میں نے کہا: نہیں!
اللہ اور اسلام تجھ سے بات کرنے کو منع کرتے ہیں۔
اگر تو محمد ﷺ اور اُن کے گروہ کو فتحِ مکہ کے دن دیکھتی
جس دن بت توڑے جا رہے تھے۔
تو تو اللہ کے دین کو روشن دیکھتی،

اور شرک کے چہرے کو دیکھتی کہ اُس پر سیاہی چھا رہی

ہے۔[40]

اِس طرح فضالہ بن عمیر لیثی اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ جس دل میں قتل کا منصوبہ پنپ رہا تھا بس اک ذرا سی دیر میں وہ رسول اللہ ﷺ کی محبت سے جل تھل ہو گیا تھا۔

حضرت فضالہ بن عمیر لیثی حیران ہو رہے تھے کہ جو منصوبہ میرے دل میں اٹھ رہا تھا، اُس سے میرے اپنے کان بھی آشنا نہ تھے۔ کسی دوسرے سے کہنے کی بات ہی نہ تھی۔ پھر بھی رسول اللہ ﷺ کی پوچھ تاچھ کا انداز صاف بتا رہا تھا کہ اُنھیں میرے دل کے ارادے کی پوری خبر ہے۔ بس اِسی یقین کے ساتھ اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی عظمت کو مان لیا اور نبی کی حیثیت سے اُنھیں ایک سچا انسان تسلیم کر لیا۔

[۴۰] سیرۃ ابن ہشام: ۶۶/۴

حضرت صَفْوان بن اُمیّہ رضی اللہ عنہ

جب مکہ فتح ہوگیا تو صفوان بن اُمیہ ''جدّہ'' روانہ ہوگئے تاکہ وہاں سے یمن چلے جائیں۔عمیر بن وہب نے کہا: اے اللہ کے نبی! قوم کا سردار صفوان بن اُمیّہ آپ کی وجہ سے بھاگ کھڑا ہوا ہے تاکہ وہ سمندر میں جاکر خودکشی کرلے، لھٰذا آپ اُسے امان دے دیں۔آپ پر اللہ کا درود ہو!

آپ نے فرمایا: اُسے اَمان ہے۔

اُنھوں نے کہا: آپ نشانی کے طور پر کوئی چیز دے دیں تاکہ وہ یقین کرلے کہ آپ نے اَمان دے دیا ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا عمامہ دے دیا جسے پہن کر وہ مکے میں داخل ہوئے تھے۔عمیر اُس عمامے کو لے کر نکلے۔صفوان کشتی میں سوار ہونا ہی چاہتے تھے کہ عمیر نے اُن کو جالیا۔

اُنھوں نے کہا: صفوان! میرے ماں باپ تم پر قربان! اللہ اللہ تم خودکشی کرنے کی سوچ رہے ہو! رسول اللہ ﷺ نے تمھیں امان دے دیا ہے، یہ رہا اُس کا ثبوت۔

اُنھوں نے کہا: افسوس! دور ہوجاؤ مجھ سے بات مت کرو!

اُنھوں نے کہا: اے صفوان! میرے ماں باپ آپ پر قربان! وہ سب سے افضل ہیں، سب سے زیادہ بھلے ہیں، سب سے زیادہ بردبار ہیں اور سب سے بہتر ہیں۔وہ تمھارے چچازاد بھائی ہیں۔اُن کی عزت تمھاری عزت ہے۔اُن کی شرافت تمھاری شرافت ہے۔اُن کا ملک تمھارا ملک ہے۔

صفوان نے کہا: مجھے اپنی جان کا ڈر لگ رہا ہے۔

اُنھوں نے کہا: وہ بڑے سنجیدہ اور عزت دار ہیں۔

چنانچہ صفوان اُن کے ساتھ لوٹ آئے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوگئے۔

صفوان نے پوچھا: اِن (عمیر) کا کہنا ہے کہ آپ نے مجھے امان دے دیا ہے؟

آپ نے فرمایا: اُس نے سچ کہا۔

صفوان نے کہا: اگر ایسی بات ہے تو آپ مجھے مہلت دیجے۔

آپ نے فرمایا: تمھیں چار مہینے کی مہلت ہے۔

پھر صفوان بن اُمیہ اور عکرمہ بن ابوجہل دونوں ہی مسلمان ہو گئے۔[41]

حضرت صفوان بن اُمیہ کو خودکشی کرنا گوارہ تھا، لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں ذلت کی موت مرنا منظور نہ تھا۔ اُن کے دل میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ محمد ﷺ مجھے پکڑ کر جان سے مار ڈالیں گے۔ ویسے بھی میں نے اُن کی مخالفت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ مسلمانوں کو ستانے اور پریشان کرنے میں، میں آگے آگے تھا۔ میری جاں بخشی کی کیا امید ہو سکتی ہے؟

اصل میں حضرت صفوان بن امیہ اپنے معیار پر سوچ رہے تھے۔ وہ اپنے جذبات کے ترازو پر رسول اللہ ﷺ کے کردار کو تول رہے تھے۔ مگر یہ وہ اللہ کا مقدس رسول تھا جس کے اخلاق کی برتری اور کردار کی عظمت کا اندازہ لگانا ذرا دشوار تھا۔ حضرت عمیر یہی بات اُن کو سمجھا رہے تھے جو بڑی مشکل سے اُن کی سمجھ میں آئی۔ وہ کسی طرح یقین کرنے پر تیار ہی نہ تھے کہ محمد ﷺ مجھے چھوڑ دیں گے، لیکن جب بات واضح ہو گئی کہ رسول اللہ ﷺ نے واقعی اُنھیں چھوڑ دیا ہے تو وہ سوچ میں پڑ گئے کہ اب کیا کریں؟ اُنھوں نے آپ سے مزید سوچنے سمجھنے کی مہلت چاہی تو امید سے زیادہ اُنھیں مہلت مل گئی۔ بالآخر اُنھیں اعتراف کرنا پڑا کہ یہ رسول کسی کی جان کا دشمن نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ ضرور میری گردن بھی مارتا۔ وہ تو صرف توحید کو ماننے اور شرک سے باز آنے کی دعوت دے رہا ہے۔ اگر اُس کے لئے کوئی اُس سے لڑائی مول لے لے تو یہ خود اُس کی ضد اور زیادتی ہو گی۔

صفوان بن اُمیّہ کی سوچ کا رُخ تبدیل ہو گیا تو اُن کا دل بھی تبدیل ہو گیا۔ اُنھوں نے بہت کچھ سوچا سمجھا، رسول اللہ ﷺ کو قریب سے دیکھا اور مسلمان ہو گئے۔ وہ حالات کے دباؤ میں نہ تھے اور نہ کسی کے کہنے پر بہکے تھے، بلکہ وہ خود اپنی رائے اور اپنی پسند سے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

[41] سیرۃ ابن ہشام: ۴/۶۶-۶۷

حضرت عباس بن مِرداس رضی اللہ عنہ

عباس کے والد مِرداس کے پاس پتھر کا ایک بت تھا جس کا نام ''ضَمار'' تھا۔ وہ اُس کی پوجا کیا کرتے تھے۔ مِرداس نے اپنی موت کے وقت عباس کو کہا کہ:

بیٹے! ضمار کی پوجا کرتے رہنا، کیونکہ وہ نفع بھی پہنچاتا ہے اور نقصان بھی۔

ایک دن عباس ضمار کے پاس موجود تھے کہ اچانک ضمار کے اندر سے اشعار سنائی دینے لگے کہ:

سُلیم کے سارے قبیلوں کو بتادو!

کہ ضمار ہلاک ہوا اور مسجد والے کو زندگی ملی۔

بے شک جو ابن مریم کے بعد نبوت اور ہدایت کا وارث بنا

وہ قریش کا ایک ہدایت یافتہ جوان ہے۔

ضمار ہلاک ہوا جبکہ وہ نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف کتاب اترنے سے پہلے برابر پوجا جاتا رہا۔

اِن اشعار کو سننے کے بعد عباس نے ضمار بت کو جلا دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر مسلمان ہوگئے۔[42]

جس بت کو وہ خدا کی طرح پوج رہے تھے، اُسے گھاس پھوس کی طرح جلا دینا پڑا۔ اُن پر واضح ہوگیا کہ بت کی پوجا کسی کام کی نہیں۔ یہ جہالت کی دین ہے۔ جب ہمارا خود ساختہ معبود ہی ہمارے خلاف جا رہا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا حق ہونے کی گواہی دے رہا ہے تو پھر بت پرستی میں کیا رکھا ہے۔ وہ اٹھے اور سیدھے مسلمان ہوگئے۔ اُن کے سامنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی برحق ہونے کی ایک غیبی شہادت گذر چکی تھی۔

---

[42] سیرۃ ابن ہشام: ۷۶/۴

حضرت عدِی بن حاتم رضی اللہ عنہ

عدی بن حاتم مشہور سخی حاتم طائی کے بیٹے اور قبیلۂ طے کے سردار تھے جو اپنی قوم کی فوج سے مال غنیمت کا چوتھائی حصہ پاتے تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے بے حد نفرت کرتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کا لشکر قبیلۂ طے میں داخل ہوا تو وہ اپنی بہن کو وہیں چھوڑ کر بال بچوں کے ساتھ ملک شام بھاگ گئے۔

وہ تو بچ نکلے، لیکن اُن کی بہن گرفتار ہوگئی۔ بعد میں اُس کی منت سماجت پر رسول اللہ ﷺ نے اُس کی قوم کے ایک معتبر آدمی کے سپرد کر کے اُسے روانہ کر دیا۔ روانگی کے وقت آپ نے اُسے پوشاک دی۔ سواری کا انتظام کیا۔ کچھ زادراہ مہیا کر دیا۔ وہ اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ ملک شام آ گئی۔

جب وہ عدی بن حاتم کے پاس پہنچی تو اُس نے عدی کو بہت برا بھلا کہا کہ: تم ظالم ہو! تمھیں رشتے کا پاس نہیں! تم اپنے بال بچوں کے ساتھ یہاں آ گئے، لیکن اپنے والد کی بیٹی کو وہیں چھوڑ دیا؟!

اُنھوں نے کہا: بہن! اچھی بات بولو۔ تم جو کچھ کہہ رہی ہو، درست ہے۔ میرے پاس اِس کے لئے کوئی عذر نہیں۔

پھر وہ اُنہی کے پاس رہنے لگی۔ اُن کی بہن ایک دانشمند عورت تھی۔ اُنھوں نے پوچھا کہ: تم نے اُس آدمی (محمد ﷺ) کو کیسا پایا؟

اُس نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میرا خیال ہے کہ تم جلد از جلد اُن سے ملاقات کرو، کیونکہ اگر وہ نبی ہیں تو اُن کی طرف پہل کرنے میں فضیلت ہے اور اگر وہ بادشاہ ہیں تو یمن کی عزت میں کبھی ذلیل نہ ہو گے۔ تم خود ہی سمجھدار ہو۔

عدی بن حاتم نے بہن کا جواب سن کر کہا: اللہ کی قسم! یہ درست رائے ہے۔

چنانچہ وہ مدینے آئے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے۔ اُس وقت آپ مسجد میں

تشریف رکھتے تھے۔ اُنھوں نے سلام پیش کیا۔
آپ نے پوچھا: کون آدمی ہے؟
اُنھوں نے کہا: عدی بن حاتم۔
یہ سن کر رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور اُنھیں ساتھ لے کر اپنے گھر کی طرف چل پڑے۔ آپ اُنھیں اپنے گھر لے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک بوڑھی، کمزور عورت سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے آپ کو روکا تو آپ رک گئے اور دیر تک کھڑے ہو کر اُس کی ضرورتوں سے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ عدی بن حاتم نے اپنے جی میں سوچا کہ...... یہ کوئی بادشاہ نہیں لگتے ...... پھر آپ اُنھیں لے کر آگے بڑھے اور اپنے گھر آ گئے۔ آپ نے کھجور کی چھالوں سے بھرا ہوا چمڑے کا ایک بستر (گدّا) لیا اور اُسے اُن کے آگے بچھاتے ہوئے کہا کہ: بیٹھو!
اُنھوں نے کہا کہ: آپ اِس پر بیٹھیے!
آپ نے کہا: نہیں! آپ بیٹھیں۔
چنانچہ وہ بستر پر بیٹھ گئے اور خود رسول اللہ ﷺ زمین پر بیٹھے۔
اُنھوں نے اپنے جی میں کہا کہ: اللہ کی قسم! یہ کسی بادشاہ کی شان نہیں۔
پھر آپ نے کہنا شروع کیا: اے عدی بن حاتم! کیا تم ''رَکُوسی'' (نصرانیت اور ستارہ پرستی سے ملا جلا مذہب ماننے والے) نہیں؟
اُنھوں نے کہا: کیوں نہیں!
آپ نے کہا: کیا تم اپنی قوم سے مالِ غنیمت کا چوتھائی حصہ وصول نہیں کرتے؟
اُنھوں نے کہا: کیوں نہیں!
آپ نے کہا: وہ تو تمھارے مذہب میں حلال نہیں۔
اُنھوں نے کہا: اللہ کی قسم! درست فرمایا۔
اِن باتوں سے اُنھوں نے سمجھ لیا کہ وہ نبی مُرسَل ہیں جنھیں غیر معروف باتیں

معلوم ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا:

اے عدی تم جو چوتھائی حصہ پا رہے ہو شاید اِس دین (اسلام) میں داخل ہونے سے یہی چیز تمھیں روک رہی ہے۔ اللہ کی قسم! عنقریب دولت اِس طرح بہے گی کہ کوئی اُسے لینے والا نہیں ہوگا۔

شاید اسلام میں داخل ہونے سے یہ بات تمھیں روک رہی ہے کہ مسلمانوں کی تعداد کم اور اُن کے دشمن زیادہ ہیں۔ اللہ کی قسم! عنقریب تم سنو گے کہ ایک عورت اپنے اونٹ پر سوار ہو کر قادسیہ سے بے خوف کعبے کی زیارت کرنے آئی ہے۔

شاید اسلام میں داخل ہونے سے یہ بات تمھیں روک رہی ہے کہ حکومت اور بادشاہت دوسرے لوگوں کے قبضے میں ہے۔ اللہ کی قسم! عنقریب تم سنو گے کہ بابل کے سفید محلوں کو اِن مسلمانوں نے فتح کر لیا ہے۔

اِن سب باتوں کو سن کر عدی بن حاتم اسلام لے آئے۔

اسلام لانے کے بعد حضرت عدی بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ اُس کے دو تین سال بعد ہی میں نے دیکھ لیا کہ بابل کے سفید محلوں کو فتح کر لیا گیا۔ میں نے دیکھ لیا کہ ایک عورت قادسیہ سے بے خوف اپنے اونٹ پر سوار ہو کر حجِ کعبہ کے لئے آئی۔ اللہ کی قسم! تیسری بات بھی ضرور ہو کر رہے گی کہ دولت پانی کی طرح بہے گی اور کوئی اُسے لینے والا نہ ہوگا۔[43]

حضرت عدی بن حاتم جو رسول اللہ ﷺ سے نفرت کی حد تک بھاگتے پھر رہے تھے، اُنھیں جب اپنی بہن کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق اور حسن سلوک کا پتہ چلا تو وہ

---

[43] سیرۃ ابن ہشام: ۴/۲۲۴+۲۲۶

اُس کا جائزہ لینے مدینے چل پڑے۔اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو کسی بادشاہ سے بالکل مختلف پایا۔اُنھوں نے اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ آپ حد درجہ خاکسار،ملنسار اور دردمند انسان ہیں۔وہ ہر وقت ہر کسی سے بات کرنے اور ننگی زمین پر بیٹھ جانے کا مزاج رکھتے ہیں۔ یہ شان کسی بادشاہ کی نہیں ہوتی۔انسانی وسائل اور مادی ذرائع کے بغیر ہی وہ دوسروں کے اندرونی حالات کی خبر رکھتے ہیں جو ایک نبی کا مقام ہے۔

حضرت عدی بن حاتم نے محمد ﷺ کے نبی ہونے کی دلیل بھی دیکھ لی تھی اور آپ کے عمدہ اخلاق اور نیک برتاؤ کی روشنی میں انسانیت کی عظمت کا انمول نمونہ بھی پالیا تھا۔ ظاہر ہے اتنا کچھ دیکھ لینے کے بعد کون نہیں پکار اٹھے گا؟:

﴿اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾

آخری بات

میں نے گذشتہ اوراق میں، دورِ صحابہ کی چند منتخب اور معروف شخصیتوں کے حوالے سے ثابت کر دیا ہے کہ ''اسلام'' زور زبردستی نہیں منوایا گیا۔ بت پرستی چھوڑ کر مسلمان ہونے والے لوگ کسی لالچ یا دباؤ میں نہ تھے۔ لات وہُبل کے آگے ماتھا ٹیکنے والوں کا توحید پرست بن جانا کسی دماغی خلل کا نتیجہ نہیں تھا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے بدترین دشمنوں کا جانثار ہو جانا کوئی دھوکہ دھڑی، چالبازی یا مصالحت کا کرشمہ نہ تھا، کیونکہ مسلمان ہونے والوں میں امیر کبیر لوگ بھی تھے۔ رئیس اور سردار بھی۔ اونچے خاندان کے لوگ بھی تھے اور عزت دار بھی۔ زبان و بیان کے دَھنی لوگ بھی تھے اور عقل و دانش والے بھی۔ اہلِ علم بھی تھے اور صاحبِ رائے بھی۔ بہادر جوان بھی تھے اور آزاد منش بھی۔

اِس کھلی ہوئی آئینے کی طرح صاف ستھری تاریخ میں کہیں بھی تلوار کی جھنکار نظر نہیں آتی۔ جو لوگ اسلام کو تلوار کے حوالے سے پیش کرنے کی سازش کر رہے ہیں، وہ صدی کا سب سے بڑا جھوٹ تصنیف کر رہے ہیں۔

یہ تو اللہ کی مقدس کتاب کا اعجاز تھا جو عرب جیسے فصیح و بلیغ کا مرکز توجہ بنا رہا۔ عرب، قرآن کی دلکش آیتیں سن سن کر مسلمان ہوتے جاتے تھے...... یا محمد رسول اللہ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق، نمایاں کردار اور حسن سیرت کا کمال تھا جس نے عرب جیسی سرکش قوم کو آپ کے آگے جھکنے پر مجبور کر دیا تھا...... یا پھر ایک غیبی قوت تھی جو پتھر دلوں کو بھی اسلام کے لئے موم بنا دیتی تھی۔

اسلام کے پھلنے پھولنے اور مسلمانوں کی تعداد میں دن بدِن اضافہ ہونے کے یہی اسباب تھے۔

۸ھ میں جب مکہ فتح ہوا اور اُس کی باگ ڈور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں آئی تو جتنے کافر دشمن تھے، سب ڈرے سہمے ہوئے تھے۔ کوئی خودکشی کی سوچ رہا تھا۔ کوئی اِدھر اُدھر بھاگتا پھر رہا تھا۔ کوئی ڈر کے مارے گھر سے نہیں نکل رہا تھا اور کوئی مِنّت سماجت کر رہا تھا،

لیکن رسول اللہ ﷺ نے عام معافی کا اعلان کر دیا تھا۔ لوگوں میں یہ خبر مشہور تھی کہ محمد ﷺ مسلمان ہونے والے کو کچھ بھی نہیں کہتے، چاہے وہ اُن کا کتنا ہی بدترین دشمن رہا ہو۔ آپ کا اعلان تھا کہ اسلام گذشتہ تمام باتوں کو دفن کر دیتا ہے۔

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ جنھوں نے جنگ اُحد میں رسول اللہ ﷺ کے چہیتے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو نیزہ مار کر شہید کیا تھا اور ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے سینہ چیر کر اُن کا کلیجہ کچا چبایا تھا اور اُن کے ناک کان کاٹ کر اپنے گلے میں مالا کی طرح پہن کر مکے کی گلیوں میں اتراتی پھری تھی۔ وہی وحشی جب مسلمان ہوئے تو آپ نے بے جھجک اُنھیں قبول کر لیا، لیکن اُنھیں دیکھ کر آپ کو اپنے چہیتے چچا کی غمناک شہادت یاد آجاتی تھی اِس لئے کہہ رکھا تھا: تم میرے سامنے نہ آیا کرو۔

فتح مکہ کے بعد پھر تو مسلمان ہونے والوں کا تانتا لگ گیا۔ لوگ جوق در جوق آ آ کر اسلام کے دامن میں پناہ لینے لگے۔ عرب کے مختلف قبیلوں کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہونے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پوری عرب دنیا پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ نہ کہیں تلوار تھی نہ ہنگامہ۔ نہ دباؤ نہ لالچ۔ بس قرآن کی دلنشیں آیتیں تھیں، اعلیٰ اخلاق میں ڈھلی ہوئی رسول اللہ ﷺ کی پُرکشش شخصیت تھی اور مسلمانوں کی بدلتی ہوئی دنیا کے خوشگوار اَثرات تھے۔

یہ سارے کردار، ایک ساتھ مل کر اسلام کے آفاقی پیغام کو نشر کر رہے تھے اور لوگ کان لگا کر سن رہے تھے۔ ذہنوں کے سوچنے سمجھنے کا انداز دھیرے دھیرے بدلنے لگا۔ دلوں کے اندر ایک خوشگوار انقلاب برپا ہو گیا۔ کفر کی بڑی بڑی چٹانیں موم بن کر پگھلنے لگیں۔ شرک کی کالی رات رخصت ہوئی، اسلام کا چمکتا دمکتا آفتاب طلوع ہوا اور فضا میں ہر طرف توحید کے اجالے بکھر کر سارے اُفق پر چھا گئے۔

﴿قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقاً﴾

(کہہ دو حق آیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل مٹنے کا تھا۔)

تمت

مآخذ و مراجع

تفسیر

۱. اسبابُ نزول القرآن	علی بن احمد الواحدی (۴۶۸ھ)	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۲. لُباب النقول	عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی (۹۱۱ھ)	داراحیاء العلوم، بیروت
۳. تفسیر الطبری	ابوجعفر محمد بن جریر الطبری (۳۱۰ھ)	دارالفکر، بیروت، لبنان
حدیث		
۴. صحیح البخاری	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری (۲۵۶ھ)	داراحیاء التراث العربی، بیروت
۵. صحیح مسلم	ابوالحسین مسلم بن حجّاج القُشیری (۲۶۱ھ)	داراحیاء التراث العربی، بیروت
۶. دلائل النبوۃ	ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی (۴۵۸ھ)	داراحیاء التراث العربی، بیروت
۷. جامع المسانید والسنن	اسماعیل بن کثیر الدمشقی (۷۷۴ھ)	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
سیرت		
۸. سیرۃ ابن ہشام	ابومحمد عبدالملک بن ہشام الحمیری (۲۱۸ھ)	داراحیاء التراث العربی، بیروت
۹. الطبقات الکبریٰ	ابوعبداللہ محمد بن سعد الھاشمی (۲۳۰ھ)	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۱۰. اسد الغابۃ	علی بن محمد۔ ابن الاثیر الجزری (۶۱۰ھ)	داراحیاء التراث العربی، بیروت
۱۱. الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ	احمد بن علی بن حجر العسقلانی (۸۵۳ھ)	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۱۲. سیرۃ ابن کثیر	اسماعیل بن کثیر الدمشقی (۷۷۴ھ)	داراحیاء التراث العربی، بیروت
تاریخ		
۱۳. کتاب المغازی	محمد بن عمر الواقدی (۲۰۷ھ)	عالم الکتب، بیروت، لبنان

۱۴. تاریخ مدینۃ دمشق	ابوالقاسم علی بن حسن-ابن عساکر(۵۷۱ھ)	دارالفکر، بیروت، لبنان
۱۵. تاریخ الاسلام	محمد بن احمد بن عثمان الذہبی (م۷۴۸ھ)	دارالکتاب العربی، بیروت
۱۶. البدایۃ والنہایۃ	اسماعیل بن کثیر الدمشقی (۷۷۴ھ)	داراحیاء التراث العربی، بیروت
اسماء رجال		
۱۷. تہذیب الکمال	ابوالحجّاج یوسف المزّی (م۷۴۲ھ)	دارالفکر، بیروت، لبنان
۱۸. تقریب التہذیب	احمد بن علی بن حجر العسقلانی (۸۵۳ھ)	دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان